8|91

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (القرآن الکریم)

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا

بسم معظم اویسی

ماہنامہ

المرشد

لاہور

اگست ۱۹۹۱ء

مجھے قطعیت کے ساتھ معلوم ہوا کہ صوفیاء ہی کا گروہ ہے جو خصوصیت سے اللہ کی راہ پہ گامزن ہے۔ انہیں کی سیرت سب سے بہتر ہے۔ انہیں کا طریقہ سب سے صاف ہے۔ اُنہی کے اخلاق زیادہ پاکیزہ اور بلند ہیں بلکہ اگر تمام عقلاء و حکماء کی عقل و حکمت کو جمع کر لیا جائے اور واقفان شریعت کے اسرار و علوم کو ملا لیا جائے تاکہ ان سے بہتر سیرت کی تشکیل ہو سکے تب بھی ان کے اخلاق و سیرت کے ڈھانچے کو بدلنا ضروری نہ ہو کیونکہ صوفیائے کرام کی تمام حرکات و سکنات چاہے ظاہری ہوں چاہے باطنی مشکوٰۃ نبوت ہی سے تو منور ہیں اور نورِ نبوت سے بڑھ کر اور کوئی روئے زمین پر اس لائق نہیں کہ اس سے روشنی حاصل کی جائے۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۶۰۷

اداریہ

اکبر کا "دین الٰہی" آج ہندوستان کا سب سے بڑا مذہب ہوتا۔ اگر کسی حکمران کے بنائے ہوئے یا نافذ کردہ "دین" میں وہ قوت ہوتی جو اسلام میں ہے۔ اسلام کسی حکمران کے ذریعے نہیں آیا۔ کسی بادشاہ یا سپر پاور کے واسطے سے نہیں آیا۔ اللہ نے اس سعادت کے لیے جس شخصیت کو منتخب فرمایا وہ ایک بے سہارا یتیم تھا۔ جس کا بچپن بھیڑ بکریاں چراتے گذرا۔ اسلام میں داخل ہونے والا پہلا گروہ وڈیروں، جاگیرداروں، سیاستدانوں یا عرب کے شیخوں پر مشتمل نہیں تھا۔ بلکہ اُس میں غلام اور غریب شامل تھے۔ دینِ اسلام کسی ایسی سرزمین یا قوم پر نازل نہیں ہُوا جو ترقی یافتہ یا طاقتور تھی۔ بلکہ اُس وقت کی عرب قوم کی تہذیب، اُن کی معاشرت اور اُن کی سوچ میں جاہلیت اور بربریت کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اسلام ایسے انتہائی ناسازگار ماحول میں خاک نشینوں سے شروع ہُوا اور دیکھتے ہی دیکھتے دُنیا پر چھا گیا۔

آج ہمارے پاس اسلام مکمل صورت میں موجود ہے۔ لیکن ۴۴ سال کا عرصہ گذرنے کے باوجود ہم نعرے تو اسلام کے لگاتے ہیں مگر اپنی انفرادی زندگی تک میں اسلام کو داخل نہیں ہونے دیتے۔ ہماری تہذیب، ہمارا لٹریچر، ہمارا رہن سہن معاش و معاشرت، قوانین و عدالتیں، سیاست، تعلیم، یہاں تک کہ زندگی کا ہر پہلو اور ہر سوچ مغرب، ہندو اور سوشلزم سے ادھارے پر قائم ہے۔

ووٹ ہم اس کو دیتے ہیں جو اسلام نافذ کرنے کا نعرہ لگاتا ہے۔ پھر اُنہی سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اسلام نافذ کرو۔ ہم سے ووٹ لے کر مغرب کے ادھارے پر حکومت چلانے والے اگر اسلام نافذ کر بھی دیں تو جس ڈھنگ کا وہ اسلام ہوگا کیا وہ دو دن چل بھی سکے گا؟

پہلے آپ اپنی ذاتی زندگی پر اسلام کے اصول لاگو کریں۔ پھر اپنے خاندان، اپنے گھر میں اسلام داخل کیجئے۔ دوسروں کے ساتھ اپنے معاملات کو اسلام کے اصولوں کے مطابق طے کیجئے۔ ہر اُس مسلمان کو جس کے ساتھ زندگی کے روزمرہ لین دین میں آپ کا واسطہ پڑتا ہے اُن سے کہیئے کہ وہ بھی اپنے معاملات اسلامی طریقوں پر طے کریں۔ اپنے اختلافات اور جھگڑوں کے فیصلے اسلامی اصولوں کے تحت لائیں۔ اپنی زندگی پر اسلام نافذ کرنے کے لیے اگر آپ تیار ہیں تو حکومت سے مطالبہ جائز بھی ہے۔ اُس میں وزن بھی ہوگا اور حکومت آپ کا مطالبہ پُورا کرنے پر مجبور بھی ہوگی۔ ورنہ نعروں سے قوم کی تقدیر کب بدلی ہے۔

"الاخوان" کے نام سے جو تنظیم قائم ہوئی ہے۔ اُس کا مقصد یہی ہے کہ اس ملک کے ہر مسلمان کے لیے اُس کی گلی اور محلے تک اسلامی اصول، قوانین اور عدل و انصاف مہیا کیا جائے۔ تاکہ وہ اپنے معاملات، اختلافات اور جھگڑے رضاکارانہ طور پر شرعی قوانین کے تحت نبٹائیں۔ یہ ایک ایسی تعمیری تحریک ہے جو نفاذِ اسلام کا سبب بن کے رہے گی۔ اِسے کامیاب بنانے میں اللہ کی رضا کے ساتھ ساتھ آپ کا عملی تعاون آپ کی ممبرشپ اور دوسروں کو شامل کرنے کی دعوت کی ضرورت ہے۔

تاج رحیم

اجتماعی ذکر

لاہور

مقام	دن	وقت
○ اویسیہ - کالج روڈ ٹاؤن شپ	روزانہ	صبح وبعد مغرب
○ مسجد حنفیہ، رحمان گلی نزد پرانا کراؤن اڈہ	جمعہ	۸ بجے صبح
○ مسجد کنٹونمنٹ بورڈ دفتر لاہور کینٹ	ہفتہ و منگل	بعد مغرب
○ مسجد خضری سمن آباد	سوموار	″
○ مسجد شان اسلام بی - ۲ گلبرگ ۳	روزانہ	″
○ مسجد دار الشفقت چوک یتیم خانہ، ملتان روڈ	″	صبح وبعد مغرب
○ مسجد نور - چوک دار وغہ والا - واہگہ روڈ	″	بعد مغرب
○ اقبال مسجد پریم نگر نزد ایم اے او کالج ساندہ روڈ	″	″
○ مسجد کھجوروال سید مٹھا بازار - اندرون لوہاری گیٹ	″	″
○ ماسٹر رشید احمد مکان نمبر ۲۲ گلی نمبر ۲۶۴ وَن پورہ کشمیری محلہ	″	″

گجرات و کھاریاں

مقام	دن	وقت
○ کوٹھی جناب ملک صاحب گجرات	ہر ماہ کا تیسرا جمعہ	½ ۱۰ بجے صبح
○ فرید کارز شاپ کھاریاں کینٹ	جمعہ	بعد نماز جمعہ
○ عسکری مسجد، ساداتھ کالونی کھاریاں	سوموار	بعد مغرب

بورے والا - وہاڑی

مقام	دن	وقت
○ جامعہ انوار القرآن چک 142/E-B	ہر ماہ کا تیسرا جمعہ	بعد مغرب

نوشہرہ (سرحد)

مقام	دن	وقت
○ مسجد کنٹونمنٹ بورڈ دفتر - طفیل روڈ	جمعرات	بعد مغرب
○ مسجد درزیاں - کیولری روڈ	روزانہ	″
○ مسجد ایم - ای - ایس - طفیل روڈ	اتوار و بدھ	″
○ مسجد میڈیکل سٹور - مائل روڈ	پیر و منگل	″

چترال

مقام	دن	وقت
○ مسجد سید آباد - چترال	روزانہ	فجر و عصر
○ مسجد جامع پرانا بازار - دروش	منگل	ظہر
○ مسجد اتالیق بازار چترال	جمعہ	بعد نماز جمعہ
○ نیو مسجد دار العرفان، بمبریت	روزانہ	صبح و شام
○ مسجد سکندر، میر کھنی	″	″

فیصل آباد

مقام	دن	وقت
○ گول مسجد پی ڈبلیو ڈی بالمقابل اڈہ جی ٹی ایس	ہر ماہ کی پہلی اور تیسری جمعرات	بعد مغرب

گوجرہ

مقام	دن	وقت
○ مسجد الخضراء - پرانی غلہ منڈی	ہر ماہ کی دوسری جمعرات	بعد مغرب

ٹوبہ ٹیک سنگھ

مقام	دن	وقت
○ مرکزی جامع مسجد	روزانہ	بوقت تہجد و بعد مغرب
وضلعی ماہانہ اجتماع	ہر ماہ کا آخری بدھ	

کراچی

مقام	دن	وقت	
○ جامع مسجد ابوبکر صدیق رض فیز II ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کراچی	ہر جمعرات	بعد نماز مغرب	کرنل محبوب صاحب ۵۴۴۹۹۰
○ جامع مسجد عثمان بن عفان رض محمد علی سوسائٹی، کراچی	ہر جمعہ	بعد نماز جمعہ	″
○ مسجد طوبیٰ فیز I ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کراچی	روزانہ	بعد نماز مغرب	″
○ جامع مسجد اسکول آف آرمی ایئر ڈیفنس ملیر کینٹ کراچی	روزانہ	بعد نماز تہجد اور بعد نماز مغرب	کیپٹن خورشید احمد ۵۴۴۱۲۴
○ جامع مسجد KARSAZ نیوی	روزانہ	بعد نماز مغرب	چوہدری بشیر احمد KARSAZ
○ عالمگیر مسجد، ماڈل کالونی - کراچی	روزانہ	بعد نماز مغرب	چوہدری بشیر احمد ۴۰۱۵۴۴
○ جامع مسجد مدینہ، بلال کالونی، کورنگی کراچی	روزانہ	بعد نماز تہجد اور بعد نماز مغرب	مفتی جمال خان صاحب
○ نیول کالونی، ڈالیاں SRE III کوارٹر نمبر ۵/۱۱۳	روزانہ	″	قاضی محمد اسلم صاحب
○ اویسیہ سفریات الکرم اسکوائر لیاقت آباد نمبر ۱۰	روزانہ	بعد نماز مغرب	غلام مصطفےٰ صاحب ۹۲۴۰۱۲

کراچی کے احباب رابطے کے لیے کسی بھی وقت اور کسی بھی مندرجہ بالا فون نمبر والے سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

علم اور معلومات کا فرق

کچھ علم کے متلاشی حضرات ہمارے ہاں تشریف لائے ہیں جس طرح مجھے اطلاع پہنچائی گئی ہے تو آج کی اس مجلس میں میں یہ چاہوں گا کہ ہم علم ہی کے موضوع پر کچھ باتیں بتوفیقِ الٰہی کر لیں۔

حصولِ علم کے لئے بنیادی بات ہے کہ ہم اس بات کا تجزیہ کریں کہ علم کیا شے ہے؟ ہر چیز اپنے اثرات سے پہچانی جاتی ہے علم اگر کوئی شے ہے کسی حالت یا کسی کیفیت کا نام ہے تو اس کے اثرات کیا ہیں اور ہم جو آخری دم تک طالب علم ہی رہتے ہیں چونکہ انسان کا حصولِ علم کا دروازہ رب جلیل کبھی بند بھی نہیں کرتے اور انسان کبھی بھی اور کسی حال میں بھی علم کی انتہا کو نہیں پا سکتا انسان بہر حال ہر درجے ہر سٹیج میں علم کا متلاشی ہی رہتا ہے تو یہ علم کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جو ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟

علم کے دو حصے ہیں ایک وہ علم جو رب جلیل نے اپنی ساری مخلوق کو حیات دنیا بسر کرنے کے لیے عطا فرمایا ہے اس کے پھر دو حصے ہیں ایک انتہائی ضروری اور لازمی حصہ ایک تخلیقی پہلو، جو انتہائی لازمی اور ضروری حصہ ہے حیات کے متعلق وہ ساری مخلوق کو پیدائش کے ساتھ عطا فرما دیا جاتا ہے۔ آپ ایک ادنیٰ سی چیونٹی سے لیکر کسی بھی جانور کو دیکھیں انہیں کون پڑھانے کون سکھانے جاتا ہے ہر جاندار اپنی زندگی گزارنے کا اسلوب جانتا ہے وہبی طور پر تخلیقی طور پر پیدائشی طور پر اپنی جان بچانے کے حیلے اپنا دفاع کرنے کے اسباب اپنی روزی پیدا کرنے کے طریقے اپنے بچے پالنے کا سلیقہ اپنے لیے کوئی ٹھکانہ کوئی گھر کوئی جگہ بنانے کا خیال یہ ساری باتیں تخلیقی طور پر ہر جاندار کو عطا کی گئیں اگر کوئی شخص اتنی سی معلومات رکھنے پر عالم ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ اس کی سادگی ہے یہ معلومات ایک ادنیٰ سے جاندار سے لیکر ہر تخلیق کو عطا کی گئیں۔ ان میں پھر ایک تحقیقی شعبہ ہے جو کسی بھی تخلیق کے بس کا روگ نہیں سوائے انسان کے۔ روئے زمین پر بسنے والی یا فضائے بسیط میں رہنے والی جتنی تخلیق اللہ کی ہے اُس میں تحقیق کا شعور جو ہے یہ صرف انسان کو عطا فرمایا گیا۔ زندگی کیوں کرنی ہے کیسے کرنی ہے وقت گزارنے کا بہتر طریقہ کیا ہے سر چھپانے کا آستان جو بنانا ہے اسے بہترین طریقے پہ کیسے بنایا جا سکتا ہے تن ڈھانپنے کو جو لباس چاہیئے اس کی اچھی اور بہتر شکل کون سی ہو سکتی ہے کمانے کا بہترین طریقہ کونسا ہو سکتا ہے آرام کرنے کے لیے کون کون سی چیزیں زیادہ آرام دہ ثابت ہو سکتی ہیں انسانی جسم کی زندگی کو زیادہ سے زیادہ آرام دہ یا زیادہ سے زیادہ خوش رکھنے کے لیے یا اسے مسرتوں سے ہم کنار کرنے کے لیے یہ تحقیقات کا شعور ہے یہ صرف انسان کے پاس ہے اور ایک

ادنیٰ سی مثال سے اس کو سمجھ سکتا ہے آدمی کہ کوئی جانور جتنے بھی ہمارے مطالعہ میں ہیں اور ہمارے سامنے زمین پر بستے ہیں کوئی جانور اتنا شعور بھی نہیں رکھتا کہ قدرت کی دی ہوئی غذا کو اپنی طرف سے کچھ گرم سرد کر کے یا دو تین چیزیں بنا کر یا کچھ پانچ چار چیزیں ملا کر ایک اور قسم کی یا زیادہ مزے دار یا زیادہ لذیذ یا زیادہ مفید غذا تیار کر سکے کسی جانور میں یہ شعور نہیں ہے سوائے انسان کے۔

انسان صرف گندم کا دانہ کھا لے تو اس کا پیٹ بھر سکتا ہے خالی پھل توڑ کر درختوں سے کھا لے چشمے سے پانی پی لے تو زندگی گزار سکتا ہے لیکن وہ ایسا نہیں کرتا وہ ایک ایک کر کے پھلوں کو کھانے کی بجائے ان کے مختلف جوس بنا لیتا ہے مختلف قسم کے مربے چٹنیاں اچار بنا لیتا ہے پتہ نہیں کتنی چیزیں ایک ہی پھل سے وہ بنا لیتا ہے ایک ہی گندم کے آٹے سے پتہ نہیں کتنی کتنی چیزیں بنا لیتا ہے ایک ہی چیز کو غذا بھی بنا لیتا ہے اسی چیز کو پراسس کر کے دوا بھی بنا لیتا ہے۔ لیکن یہ سارے انسانوں کو دیا گیا ہے اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے کسی کافر و مسلم کی کسی نیک اور بدکار کی کسی بھلے یا برے کی ہر انسان کو یہ قوت عطا فرمائی گئی ہے کہ اگر وہ محنت کرے اور حاصل کرنا چاہے ان چیزوں کو جو انسان کے جسم انسان کے بدن کی ضروریات کے متعلق ہیں تو بڑے سے بڑا انجینئر ایک کافر بھی بن سکتا ہے بڑے سے بڑا سرجن کافر بن سکتا ہے بڑے سے بڑا سائنسدان ایک کافر بن سکتا ہے ایک مومن بن سکتا ہے ایک نیک انسان بن سکتا ہے ایک بدکار انسان بن سکتا ہے شرط صرف انسانی قوار کا سلامت ہونا ہے اس کا ذہن سلامت ہو اس کے اعضاء سلامت ہوں وہ پڑھ سکے وہ لکھ سکے اس میں یہ استعداد ہو تو وہ سارے کمالات حاصل کر سکتا ہے لیکن اہل علم کے نزدیک یہ سب کچھ علم نہیں ہے۔ اگر یہ علم نہیں ہے تو اسے ہم کیا سمجھیں گے کس خانے میں رکھیں گے تو اہل علم کے نزدیک یہ معلومات ہیں یہ علم نہیں ہے۔

علم میں اور معلومات میں ایک بین اور واضح فرق ہے بہت بڑا فرق۔ علم اس حال کا نام ہے کہ جس چیز کو انسان جانتا ہو اس کی کیفیات اسی کے دل کے اندر اتر جائیں تو وہ علم ہو گا مثلاً آپ کسی کو میڈیکل سائنس پڑھاتے ہیں تو وہ صرف ڈاکٹر نہ بنے صرف امراض کے متعلق اس کے مطالعہ میں باتیں نہ ہوں یا وہ صرف علاج کرنا یا اپریشن کرنا ہی نہ جانتا ہو بلکہ اس کے دل میں وہ محبت وہ شفقت انسانیت سے پیار اور لوگوں کا لوگوں کی تکالیف کا درد اس کے دل کی گہرائی میں اتر جائے اور جب وہ کسی کا علاج کرے تو اس کی طلب دولت نہ ہو بلکہ اس کی طلب یہ ہو کہ میں مریض کا زیادہ سے زیادہ لگن کے ساتھ علاج کروں اور اسے جلدی اور زیادہ فائدہ پہنچاؤں اب جو اسے اُس کا معاوضہ ملنا ہے یا جو اس کے بدلے اسے دولت ملنی ہے یا اُس کے بدلے میں جو فیس ملنی ہے وہ ثانوی حیثیت اختیار کر جائے کوئی زیادہ دے یا کم دے کوئی دے سکے یا نہ دے سکے لیکن اگر ڈاکٹر کے پاس علم ہے تو وہ اس کی خدمت کرنے میں پورے خلوص سے مصروف ہو جائے لیکن اگر اس کے پاس کوئی میڈیکل سائنس کی معلومات ہیں علم نہیں ہے تو معلومات کو وہ بیچے گا معلومات کا معاوضہ اس کی پہلی خواہش ہو گی دولت کا حصول اس کی پہلی خواہش ہو گی مریض مرتا ہے یا زندہ رہتا ہے اسے دیر لگتی ہے زیادہ تکلیف ہوتی ہے یا کم ہوتی ہے وہ ٹھیک ہوتا ہے یا نہیں ہوتا یہ اس کا مسئلہ نہیں ہو گا۔ اگر اسے ٹھیک ہونا ہے تو قسمت سے نہیں ہونا تو اپنی قسمت سے وہ اپنا نسخہ دے کر اپنے پیسے کھرے کرنے کی فکر میں رہے گا۔ یہ فرق ہو گا معلومات اور علم میں

ایک آدمی کو آپ انجینئر بناتے ہیں اگر تو اس کے پاس علم ہے تو وہ محنت کر کے اپنی اس شعور کو استعمال کر کے کوئی شاہکار بنانا چاہے گا۔ کوئی پل بناتا ہے کوئی عمارت بناتا ہے کوئی بلڈنگ بناتا ہے تو اس کی ساری خلوص دل سے ساری محنت اس بات پہ ہو گی کہ جو میں بنا رہا ہوں وہ چیز ایک نمونہ ہو ایک شاہکار ہو اب اس کے بدلے اسے جو کچھ معاوضہ ملتا ہے مادی صورت میں وہ ثانوی حیثیت رکھے گا لیکن اگر اس کے پاس انجینئرنگ کی معلومات ہیں یعنی وہ علم اُس کے دل کی گہرائی میں نہیں اتر سکا اور وہ اس کے محض حافظے تک محدود ہے تو وہ معلومات میں اس کا مطمع نظر حصول زر ہو گا کوئی شاہکار بنانا نہیں۔ عمارت بناتا ہے وہ دوسرے دن گر جائے اس کی بلا سے پل بناتا ہے کریک ہو جائے اس کی بلا سے اس نے سڑک ڈیزائن کی خراب بنی اس کی بلا سے لیکن اسے پیسے تو مل گئے اس کا مقصد پورا ہو گا یہ فرق ہو جاتا ہے علم اور معلومات میں بات ایک ہی ہے اگر وہ دل تک اتر جاتی ہے علم بن جاتی ہے اگر ذہن میں الجھ جاتی ہے وہ معلومات کی حد تک رہتی ہے۔

اور یہ یاد رکھیے دل میں بات کیسے اترتی ہے دل جو ہے جو یہ موضوع ہی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ہے انبیاء کے علاوہ دنیا میں جس قدر محققین یا جس قدر فلاسفہ جس قدر اہل علم حضرات آئے ان سب کا تعلق معلومات جمع کرنے اور آگے معلومات پہنچانے سے ہے سب نے عقلاً چیزیں حاصل کیں اور وہ اگلوں کے عقل تک پہنچائیں دل انسانی تخلیق سے لیکر ہمیشہ تک کے لیے صرف اور صرف انبیاء علیہم السلام کا موضوع رہا ہے۔ دل کیا شے ہے قلب کی حقیقت کیا ہے اور اس تک بات کیسے پہنچتی ہے اس کا کوئی سائنٹیفک طریقہ نہیں ہے اگر اس کا کوئی سائنٹیفک یا میڈیکل کوئی ہوتا اس کا طریقہ میڈیکل سائنس پمپنگ مشین تک تو پہنچ جاتی ہے دل کا وہ فنکشن جو جسم کو زندہ رکھنے کے لیے خون سپلائی کرنے کا اس تک میڈیکل سائنس کی رسائی ہے لیکن دل کا وہ حصہ جس میں آرزو جنم لیتی ہے جس میں خواہش پیدا ہوتی ہے جس سے مسرت کے چشمے پھوٹتے ہیں یا جس میں غضب کی آندھیاں چلتی ہیں وہ حصہ جسے حقیقی قلب قرآن کریم کہتا ہے وہ صرف نبیوں اور رسولوں کا موضوع رہا ہے اور نبی اور رسول علیہ السلام کسی سائنسی طریقے سے اس تک نہیں پہنچتے بلکہ نبوت میں کمال اور تاثیر یہی ہے کہ اس کا ایک رخ ذاتِ باری سے پیوست ہوتا ہے اور اس کا دوسرا سرا قلوب انسانی سے۔

نبوت نام ہی اس منصب کا ہے اس کیفیت کا ہے رسالت نام ہی اس حالت کا ہے یا جسے اللہ کریم رسول بناتے ہیں ہر نبی اور ہر رسول میں یہ کمال ہوتا ہے کہ اس کی توجہ جب اللہ کی طرف جاتی ہے تو ذات باری کے ساتھ منسلک ہوتی ہے وہ راستے میں نہیں رکتا وہ کسی سے سن کر سمجھ کر پوچھ کر نہیں بلکہ ذات باری کے ساتھ براہ راست اس کا رابطہ ہوتا ہے اور دوسرا سرا اس کا قلوب انسانی سے پیوست ہوتا ہے جو اسے رسول اور نبی مان لیں۔ اگر کوئی اس کی رسالت اور نبوت کا انکار کر دے تو اس کا قلب اس رابطے سے محروم رہتا ہے اور اسی کا پتہ ہے کتنا فرق پڑتا ہے ایک ہی بات جب مومن سنتا ہے تو اس کے لیے زندگی کا مقصد بن جاتی ہے اور وہی بات کافر سنتا ہے تو اسے اس پر غصہ آتا ہے وہی بات جب مومن سنتا ہے تو اسے دو جہانوں کی شیرینی اور لذت اس بات میں سمٹی ہوئی نظر آتی ہے وہی بات جب کافر سنتا ہے تو وہ کہتا ہے کانوں میں انگلیاں دے لینی چاہئیں یہ تو سنی ہی نہ جائے یہ فرق ہوتا ہے علم اور معلومات کا۔

آج ہم ایک عجیب دوراہے پہ کھڑے ہیں اور ہمارا

بالخصوص مسلمان اور اسلامی دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی بھی مسلمان سلطنت اپنے پیروں پر خود کھڑی ہوئی نظر ہمیں سطح زمین پہ نہیں آتی۔ دعوئی اسلام کے ساتھ معرفت الٰہی کے دعووں کے ساتھ نبی اور رسول کے ساتھ اپنے تعلق کے دعووں کے باوجود ہمیں کھڑا رہنے کے لیے کفار کی ایڈ اور مدد اور خیرات اور ان کی جو اس کے در پہ بھیک ملتی ہے اس کی ضرورت ہے کہ ہم کھڑے رہ سکیں زندہ رہ سکیں ہم اپنے بچے پال سکیں ہم اپنا کاروبار حیات رواں دواں رکھ سکیں یہ عجیب بات ہے کہ ہم کافر کو سمجھتے یہ ہیں کہ اس کے پاس صرف معلومات ہیں اور اپنے لیے ہم یہ چنتے ہیں کہ ہمارے پاس علم ہے تو اس کا معنی تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ دنیائے کفر اپنی زندگی گزارنے کے لئے ہمارے مشورے ہماری رائے ہماری مدد اور ہماری اس توجہ کی محتاج ہوتی معاملہ یہاں بالکل الٹ ہے بالکل برعکس ہے اس کی کیا صورت ہے۔

تھوڑے سے وقت میں ہم اسے یوں دیکھ سکتے ہیں کہ کیا کبھی اسلام نے یہ کمال پیش کیا بھی تاریخی طور پر ہشاریکلی دنیا کو یہ ثابت کیا بھی کہ اسلام جو کچھ دیتا ہے وہ علم ہے اور عالم جو ہے وہ معلومات کے حامل سے بہت زیادہ مضبوط بہت زیادہ بہتر بہت زیادہ اچھی کارکردگی کرنے والا ہوتا ہے تو آپ اسے ابتدائے اسلام سے دیکھ لیں بعثتِ نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام سے دیکھ لیں کہ روئے زمین پر معلومات بے شمار لوگوں کے پاس تھیں حکومتیں تھیں سلطنتیں تھیں ادارے تھے فوجیں تھیں لاؤ لشکر تھے گورنر تھے وزراء تھے بادشاہ تھے سلاطین تھے لیکن پوری دنیا پر انسانیت کچلی جا رہی تھی تباہی کی طرف جا رہی تھی قتل و غارت ہوتی تھی ظلم اور جور و جفا ہوتا تھا اور بلکتی اور سسکتی ہوئی انسانیت کی چیخیں سننے والا بھی کوئی نہیں تھا بلکہ حکمران انسانوں پر بھیڑیئے اور درندے چھوڑ کر تماشہ دیکھا کرتے تھے تاریخ کا حصہ ہے کہ انسانوں کو اُلٹا لٹکا کر ان کے نیچے آگ جلائی جاتی تھی جب وہ تڑپتے تھے تو اُمراء بیٹھے ہوئے تالیاں بجایا کرتے تھے تماشہ انجائے کیا کرتے تھے۔ ظہور اسلام اور بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو علم دیا اور انسانوں نے انسانیت کو اپنے علم سے اپنے دل سے سمجھنے کی کوشش کی اس کی سب سے پہلی شے جو ہمیں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر روئے زمین پر ایک آدمی ایمان لے آیا تو جو حقائق اسے اللہ کے رسول نے عطا فرمائے پوری دنیائے کفر مل کر اُسے ان حقائق سے ہٹا نہ سکی متزلزل نہ کر سکی نہ کسی جور و جفا سے نہ کسی ظلم اور بربریت سے نہ کسی خارجی دلیل سے نہ دولت سے نہ مال سے نہ کسی دباؤ سے، کسی بھی طرح آدمی غریب تھا یا فقیر تھا وہ کمزور تھا یا طاقتور تھا وہ اکیلا بھی تھا تو روئے زمین کا سارا کفر مل کر اسے واپس نہ لے جا سکا۔ اس لیے کہ کفر کے پاس پرلیشر تھا تو مادی دولت تھی تو مادی، دلائل تھے تو عقلی لیکن اُسے جو کچھ حاصل ہوا وہ ایک نور تھا جو اس کے قلب میں اتر گیا اسے وہ کھرچ نہ سکا اس نور نے صرف انسانوں کو نیک ہی نہیں بنایا اللہ ہی کی عبادت کرنے والا ہی نہیں بنایا یہ تو ایک پہلو ہے ہر اس آدمی کا جسے وہ نور نصیب ہوا اپنے نبی کی وساطت سے اللہ سے تعلق قائم ہو گیا۔ نبی اور رسول کا تعلق براہ راست ہوتا ہے اُمتی کا تعلق نبی علیہ السلام کے واسطے ہوتا ہے لیکن تعلق سب کا اس ذاتِ عظیم سے ہوتا ہے جس کے سامنے نبی بھی اپنی پیشانی زمین پہ رکھ دیتا ہے اور اُمتی بھی اُسی صف میں اُسی زمین پر اُسی فرش پر سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔

جب ہم دنیوی اعتبار سے دیکھتے ہیں تو ایک ایسی قوم دی اسلام نے روئے زمین کو جس نے صحراؤں سے خانہ بدوشوں کی جھگیوں سے ایک لڑتے بھڑتے اور طوفانی قبیلوں سے

تباہی کی طرف جاتی ہوئی انسانیت سے جب لوگوں کے قلوب میں وہ علم کی بارش برسائی اور وہ اس سے سیراب ہوئے تو وہ وہیں مل کر کے ایک جگہ اکٹھے ہونے شروع ہو گئے اور پھر انہوں نے روئے زمین سے ظلم کو نابود کر کے ہر مظلوم کی دستگیری کی۔ اور کتنی عجیب بات ہے کہ جس زمانے میں ایک ایک گاؤں یا دس دس گاؤں کی ریاست پر رہنے والے بھی اپنے آپ کو شہنشاہ کہتے تھے ان صحرانشینوں نے صحرائے عرب سے اُٹھ کر روئے زمین پر اور تاریخ انسانی میں ایک ایسی سلطنت، پوری تاریخ انسانی میں ان سے پہلے بھی نہیں ہوئی اور ان کے بعد بھی نہیں ہو گی جس کی سرحدیں چین سے لیکر افریقہ تک سائبیریا سے افریقہ تک اور چائنہ سے ہسپانیہ تک آج تک روئے زمین کے نقشے پہ موجود ہیں۔ آج پچاس اور ساٹھ کے درمیان اسلامی ریاستیں ہیں یہ ساری ریاستیں اس ریاست کا بہت سا حصہ کھو کر اور پھر تقسیم ہو کر بنی ہوئی ہیں جس کا امیر کوئی شہنشاہ نہیں تھا بلکہ مسجد نبوی کا امام ہوا کرتا تھا۔ کہاں سے لیا انسانیت کو انہوں نے کہ چند گاؤں پر ایک گاؤں پر جس کی حکومت ہو شہنشاہ کہلواتا ہے اور روئے زمین کا حکمران ایک مسجد کا خطیب ہے ہر آدمی اس کا دامن پکڑ سکتا ہے ہر آدمی اس سے بات کر سکتا ہے عام انسانوں کے ساتھ رہتا ہے عام انسانوں کے ساتھ کھاتا پیتا ہے اور عام انسانی ضروریات کے ساتھ بسر کرتا ہے لیکن ہر ظالم کے لیے وہ اتنا طاقتور ہے کہ بڑے بڑے سلاطین ظلم کرتے ہوئے لرزتے ہیں اور ہر نیک کے لیے وہ ایک عام آدمی ہے ان کا بھائی ہے ان میں رہتا بستا ہے کوئی شہنشاہیت نہیں ہے اس میں

ایک ایسا درد دیا۔ ایک بڑا عجیب جملہ ہے سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آپ نے فرمایا جملے کے کنارے اگر کوئی کتا بھوکا مرگیا تو ان خطاب کے بیٹے سے پوچھا جائے گا۔ کہ وہ کتا کیوں بھوکا مرا انسان تو بہت بڑی تخلیق ہے اور یہ کوئی معمولی بات نہ تھی کوئی ایسا حادثہ نہیں تھا جیسا آجکل عموماً بتایا جاتا ہے ایک افسانوی طور پر ہمیں نے خود ایسی تقریریں سنی بھی ہیں دیکھی بھی ہیں جی صحابہ نے نعرہ بلند کیا اور کافروں کے قلعے گر گئے ان کی فتح ہو گئی ایسی بات نہیں تھی یہ الگ بات ہے کہ ان کی اس کوشش میں اللہ کی برکت اللہ کی حمایت اللہ کی نصرت موجود تھی لیکن وہ باقاعدہ لڑتے تھے وہ باقاعدہ بھوکے پیاسے رہتے تھے لیکن انہوں نے یہ دعا نہیں کی جو ہم نے گوشہ نشین ہو کر شروع کر دی ہے وہ دعا میدان عمل میں کرتے تھے۔

خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اگر بدر کا میدان دعا ہی سے جیتنا تھا تو وہ دعا مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں نہیں فرمائی قرآن شاہد ہے کہ میدان بدر میں لڑنے کے لیے فرشتے اترے اور یہ عجیب بات ہے کہ جو فرشتوں کے وجود کا قائل نہ بھی ہو اسے یہ ماننا پڑتا ہے کہ تین سو تیرہ خالی ہاتھ خالی پیٹ لوگوں نے ایک ہزار کے لشکر جرار کو جو بڑی اچھی طرح تیار اور مسلح تھا شکست فاش دی تباہ کر دیا لیکن دعا کا اسلوب انہیں اللہ کے رسولؐ نے انہیں یہ بتلایا کہ جو کچھ پاس ہے اور جتنی افرادی قوت ہے جتنے ذرائع ہیں وہ لیکر نکلو ڈیڑھ سو کلومیٹر شہر سے باہر جا کر راستے میں لشکر کفار کے سامنے پڑاؤ ڈال کر لوگوں کو صف ارا کیا خود رسول اللہؐ نے چھ زرہیں کوئی دو تلواریں اور اس طرح کا اسلحہ تھا سارے لشکر کے پاس دو گھوڑے تھے کوئی آٹھ تلواریں تھیں چھ زرہیں کوئی اس طرح کا تھا سارا صحیح اعداد مجھے یاد نہیں ہے اتنا ہی ہر تاریخ میں موجود ہے ایک عام سی بات ہے بعض کے پاس ایک ایک چادر تھی کہ انہوں نے کمر کے گرد لپیٹ کر

گردن کے گرد سے گانٹھ دی تھی اور بعض سپاہیوں کے پاس دو چادریں تھیں ایک کمر کے ساتھ باندھی ہوئی تھی اور ایک اوپر لی ہوئی تھی اور اکثر پاؤں سے بھی ننگے تھے اور سر سے بھی ننگے تھے بہت کم لوگ تھے جن کے پاس پورا لباس بھی تھا ننگے پاؤں ننگے جسموں کو بھی صفوں میں کھڑا کر کے نبی کریمؐ نے میدانِ بدر میں دعا کی کہ بارِ الٰہی ہمارے بس میں یہی تھا اب اس پر کیا نتیجہ مرتب ہوتا ہے یہ تیرا کام ہے۔

تو گویا اس علم نے ورع تقویٰ اور نیکی کے ساتھ میدانِ عمل میں انہیں سرگرم عمل کیا اور جب علم دل میں اترتا ہے علم بنتا ہے معلومات جب علم کا درجہ حاصل کرتی ہیں تو ہوتا یہ ہے تو اس کے ساتھ خلوص دیانت محبت اور اس طرح کے نفیس جذبے جو دل ہی صرف دے سکتا ہے وہ ساتھ آجاتے ہیں اور عالم وہ کچھ کر سکتا ہے جو معلومات رکھنے والا نہیں کر سکتا چونکہ معلومات ذہن تک رہتی ہیں اور ذہن پھر بیوپار کرتا ہے اپنی معلومات کم دیتا ہے اور ان کے بدلے دنیوی فوائد حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے ہماری مصیبت جب بنی کہ جب ہم نے معلومات اور علم کو گڈمڈ کر دیا۔ ہم نے دین کے بارے بھی معلومات ہی جمع کیں۔

علم ہم کیسے حاصل کرتے اس کا ذریعہ یہ تھا کہ جس طرح نبی علیہ السلام کی صحبت میں وہ کیفیات قلب تک اتر جاتی تھیں اور جو صحبت میں پہنچا وہ صحابی بن گیا جو صحبت میں نہیں پہنچا وہ سارا علم لے کر سارا قرآن ساری حدیث سن کر بھی صحابی نہیں بن سکا خلوص دل سے ایمان لا کر بھی خلوص دل سے عمل کر کے بھی صحابی نہیں بن سکا کیوں وہ ایک کیفیت تھی جو قلبِ اطہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قلب مومن کو منتقل اس وقت ہوتی تھی جب وہ آپ کے روبرو ہوتا تھا۔ ایک ہی شرط علماء نے رکھی ہے کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نگاہ پڑ گئی اس پر یا اسی کی نگاہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود عالی پر پڑ گئی تو صحابی ہو گیا وہ کیفیت ٹرانسمٹ ہو گئی۔

FROM HEART TO HEART اگر کوئی اس کیفیت کو براہ راست نہیں پا سکا تو وہ صحابہ کی مجلس میں پہنچا تو تابعی بن گیا یعنی اس کے دل میں علم داخل ہو گیا اگرچہ اس کی پاور وہ نہ رہی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہونے سے تھی لیکن وہ خالی نہ رہا معلومات کا حامل نہ رہا وہ عالم ضرور ہو گیا تابعین کی خدمت میں کوئی پہنچا تو وہ تبع تابعی قرار پایا یعنی اُسے علم نصیب ہوا اگرچہ اسکی طاقت وہ نہ بن سکی اس کی وہ جو تار تھی اس درجے کی واضح بات ہے کہ ہونی نہیں چاہیئے تھی جب اس میں دو تین واسطے آگئے تو اس کا درجہ ان کی نسبت اسی طرح سے ہونا تھا لیکن ایک عام آدمی کی نسبت وہ بہت بلند تھا۔

ہم نے یہ بڑا کمال سمجھا آج بڑے زور سے یہ فتویٰ دیا جاتا ہے اور آج یہ بڑا کمال سمجھا جاتا ہے کہ یہی علم ہے کہ ہم معلومات جمع کر لیتے ہیں۔ یہی علم ہے اور اس کا نتیجہ نہیں دیکھتے آپ کہ ہر مسجد میں بھی ان معلومات کو بیچا جاتا ہے جو قرآن کی صورت میں ہم تک پہنچیں جو حدیث کی صورت میں ہم تک پہنچیں ہر منبر سے ہر خانقاہ سے ہر پیر الا ماشاء اللہ صرف دولت سمیٹنا چاہتا ہے ان چند الفاظ کے بدلے جو لوگوں کو بتایا ہے لوگوں کو صحابہ کے قصے سنا سنا کر خاک نشینی کا درس دینے والے لوگوں کو خیرات اور زکوٰۃ کی تلقین کرنے والے لوگوں کو مساجد کی طرف بلانے والوں کی اپنی موت جا کر امریکہ میں ہوتی ہے ان کی اپنی اولاد یورپ میں پڑھتی ہے ان کے اپنے بچے دنیاداری کے اس چکر میں زیادہ سے زیادہ انہیں کیوں نہیں مساجد میں لاتے اپنوں کو کیوں نہیں لاتے خود گھر سے خیرات کیوں نہیں کرتے خود آپ محنت کر کے کما کے کسی بے کس کی مدد کیوں نہیں کرتے

اس لیے کہ اکثریت کے پاس معلومات رہ گئی ہیں علم نہیں ہے۔

علم فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو پکڑ کر لے جاتا ہے کام پر علم ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے کندھے پر کپڑے کے تھان لاد دیتا ہے جو دنیا کے عظیم ترین فاتح اور دنیا کی اسلامی سلطنت کے بانی اور بنیادی امیر ہیں اور ایک جہان جن کے نام سے کانپتا ہے وہ شام کا لقمہ کھانے کے لیے کسی کا چندہ کسی کی تنخواہ کا انتظار نہیں کرتے بلکہ اپنی کمائی ہوئی دولت میں سے لوگوں کو دینے کے لیے مزدوری کرتے ہیں اور جب علم کا وہ پہلو گیا اور معلومات آئیں تو معلومات کا حامل خواہ وہ ہسپتال میں ڈاکٹر ہے وہ کالج میں پروفیسر ہے وہ دفتر میں افسر ہے یا وہ مسجد میں خطیب اپنی معلومات سے صرف دولت جمع کرنا چاہتا ہے لوگ جنت میں جائیں ان کی قسمت جہنم میں جائیں خطیب کو پرواہ نہیں ہے مقدمہ ہارتا ہے یا جیتتا ہے وکیل کو اس کی فرصت نہیں ہے مکان گرتا ہے یا رہتا ہے انجنیئرز کو اس کی ضرورت نہیں ہے لیکن اپنے معاوضے سے حصول زر سے اس کا تعلق ہے اس لیے کہ وہ اپنی معلومات بیچ رہا ہے معلومات عقل کا خزانہ ہوتا ہے اور عقل مفت نہیں دیتا وہ اپنا معاوضہ لیتا ہے۔

علم دل کا حصہ ہے دل معاوضے نہیں لیتا معاوضوں کی حیثیت ثانوی ہو جاتی ہے دل درد رکھتا ہے اور درد بانٹا کرتا ہے۔ اور معلومات کو علم بنانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ وہ کیفیات وہ جنہیں میں برکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتا ہوں تعلیمات نبوی کے ساتھ برکات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو تھیں۔ برکات رسالت اگر نہ آئیں گی۔ تو علم نہیں بنے گا۔

ایک آخری بات میں نے آپ کا بہت سا وقت لے لیا ایک بہت بڑا اہم سوال جو میں نے خود اٹھایا ہے کہ کافر ایمان نہ لا کر بھی ہم سے بہت آگے ہے۔ ان کے دل میں علم کہاں سے آ گیا ان کے پاس تو معلومات ہیں میرے اندازے کے مطابق جو اصول یا جو قانون میں نے بیان کیا ہے اس کے مطابق تو ان کے پاس علم نہیں، ہو سکتا تو پھر وہ ہم سے آگے کیسے چلے گئے۔

تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو پہلو ہیں اگر وہ علم بن جائیں اور نور ایمان کے ساتھ رچ بس جائیں تو دنیا کی سربلندی عزت اور دنیا کی کامیابی کے ساتھ آخرت کی کامیابی کی ضمانت ہے دو عالم کی کامیابی کی ضمانت ہے لیکن اگر وہ علم نہ بنے وہ درد وہ نور ایمان نہ آئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم فرمایا صرف وہ معلومات آ جائیں تو دنیا کی کامیابی ان سے بھی ہو جاتی ہے یعنی کافر بھی ان اصولوں کو اپنا لے تو دنیا میں سربلند ہو سکتا ہے جب اسلام نے روئے زمین کو درس انسانیت دیا تو پیرس کی گلیوں میں گھٹنوں گھٹنوں کیچڑ ہوا کرتا تھا اور یورپ کے اکثر ممالک مکان تک بنانا نہیں جانتے تھے تاریخ میں ان کا نام THE CAVE MAN ہے غاروں میں رہنے والے لوگ یہ سر جوڑ کر بیٹھے اور انہوں نے تجزیہ کیا کہ کس طرح سے ایک قوم جو صحراؤں سے خانہ بدوشوں سے ترتیب پائی افراتفری کے شکار لوگوں سے ترتیب پائی اور اس نے کیا کیا کہ ایک دنیا پر چھا گئی اور ایک دنیا کو اس نے ایک ریاست میں ڈھال دیا اپنا اسلوب ایک خاص دے دیا اس کا تجزیہ کر کے انہوں نے تجارت کرنے کے ملنے جلنے کے رہنے سہنے کے لڑنے بھڑنے کے وہ اسالیب اپنانے شروع کیے جن کی تعلیمات اسلام نے اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیں بغیر ایمان کے۔ ان اسالیب نے ان کو یہ کمال دیا کہ دنیا پر سرفراز تو ہو گئے لیکن وہ چونکہ ان کے پاس معلومات ہی ہیں علم نہیں ہے ان کے دل میں درد نہ آیا۔

آپ سب سے بڑے ہمدرد ملک امریکہ میں جا کر دیکھیں تو امریکہ کا ایک ایک شہری اپنی ریاست کی بربریت سے روتا ہے۔ سب سے پہلے میں آپ کو چھوٹی سی ایک مثال دوں امریکی شہری کے لیے ضروری ہے کہ وہ انشورڈ ہو میڈیکلی۔ اب میڈیکل

انشورنس کے لئے انہیں بہت سا پیسہ دینا پڑتا ہے جو بڑی مشکل سے دو وقت کا کھانا امریکہ کا شہری اس وقت پورا کرتا ہے جب وہ دو جگہ ملازمت کرتا ہو سولہ گھنٹے جاب کر کے دو وقت روٹی بمشکل میسر ہوتی ہے اور امریکہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو تین جگہ جاب کرتے ہیں اور جو بیس گھنٹے آن جاب رہتے ہیں۔ سولہ چھٹی کے چوبیس گھنٹے ڈیوٹی پر ہوتے ہیں ان کا کھانا اور سونا ٹریولنگ ٹائم میں ہوتا ہے کہ بس میں یا ریل میں ایک دفتر سے دوسرے دفتر تک جب جاتے ہیں تو راستے میں کھا بھی لیتے ہیں۔ اور سیٹ مل جائے تو بہتر ورنہ کھڑے کھڑے سو بھی لیتے ہیں اس طرح مشکل سے کما کر جب وہ میڈیکل انشورنس یا وہ میڈیکل رجسٹریشن کی فیس دیتے ہیں تو جب ہسپتال جاتے ہیں تو پھر مجھے ایک امریکی نے کہا کہ اللہ کی قسم ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم سے یہ فیس لیتے رہیں لیکن اللہ ہمیں کبھی بیمار نہ کرے اتنا رسوا ہونا پڑتا ہے تو میں نے کہا آپ کا یہ جو شہرہ ہے کہ حکومت بڑی غریب پرور ہے تو اس نے کہا THEY MEAN THE BUSINESS ONLY صرف پیسہ لینا چاہتے ہیں کوئی مرتا ہے یا جیتا ہے کوئی نہیں پوچھتا یہ ان کے اپنے شہریوں کا بیان ہے ساٹھ فیصد لوگ نیویارک جیسے شہر میں فٹ پاتھ پہ رہتے ہیں انہیں کوئی مرتا ہے یا جیتا ہے کوئی نہیں پوچھتا یہ ان کے اپنے شہریوں کا بیان ہے ساٹھ فیصد لوگ نیویارک جیسے شہر میں فٹ پاتھ پہ رہتے ہیں انہیں کوئی گھر نہیں دیتا یہ دنیا میں لوگوں کو گھر تقسیم کرتے ہیں۔ اور بڑے بڑے بزرگ میرے پاس تصویریں موجود ہیں جو میں نے وہاں بنوائیں بڑے بڑے بزرگ ردی کے ڈرموں میں سے شراب کے پھینکے ہوئے ڈبے تلاش کرتے پھرتے ہیں ایک ڈبہ ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے دوسرے میں سے دو دو قطرے نچوڑتے رہتے ہیں اس طرح گلی گلی چلتے رہتے ہیں جہاں وہ ڈبہ آدھا ہو گیا کھڑے ہو کر پی لیا اور وہیں لیٹ گیا۔

یہ سب کیا ہے آپ امریکہ ہی دیکھ لیں امریکہ کی تاریخ ہی کو دیکھ لیں امریکہ میں جتنے لوگ بستے ہیں انہوں نے امریکہ کے اصل باسیوں کو تہ تیغ کر دیا ہے اور نمونے کے طور پر چند ہزار رکھے ہوئے ہیں جنگلوں میں قید کر کے یہ امریکہ کے اصل باشندے تھے پوری امیرکن قوم میں کوئی شخص امریکہ کا باشندہ نہیں ہے کوئی سپینش ہے کوئی جرمن ہے کوئی برطانوی ہے کوئی فرانسیسی ہے کوئی کہیں سے مائی گریٹ کر کے گیا کوئی کہیں سے گیا اور امریکہ واحد قوم ہے جس نے براعظم افریقہ پر انسانوں کا شکار کیا ماؤں سے بیٹوں کو باپوں سے بیٹیوں کو بھائیوں سے بہنوں کو بہنوں سے بھائیوں کو چھینا اور جانوروں کی طرح سمندری جہازوں میں بھر کر لائے اور انہیں بیچا اور ان سے تجارت کی ان سے پیسہ کمایا آج تک صدیاں گزرنے کے باوجود ان کی اگلی سے اگلی کئی نسلوں تک وہ غلامی کی طرح چاٹ رہے ہیں اور انہیں زندگی کا کوئی حق نہیں دیتے اور آپ آج بھی کالوں کا حال وہاں دیکھ لیں واحد ملک ہے جس نے انسانیت پر ایٹم بم برسائے جس کے ماتھے پر ہیروشیما کا داغ کبھی نہیں مٹ سکتا اب دنیا کا واحد ملک ہے جس سے ہر ظلم کی توقع کی جا سکتی ہے اور جس نے آج کی تاریخ میں ہلاکو اور چنگیز خان کو مات کر دیا انسانیت کے قتل عام اور انسانوں کی تباہی پر یہ سارا زور کیوں ہے جب کہ ان کے پاس اتنی جدید ٹیکنالوجی اتنے پڑھے لکھے لوگ۔ یار یہ پڑھے لکھے عالم نہیں ہیں ان کے پاس معلومات ہیں۔

معلومات دماغ تک رہتی ہیں انسان کے کردار کو نہیں بدل سکتیں علم تھا مسلمانوں کے پاس انہوں نے روئے زمین پر ایک بہت بڑی سلطنت بنائی لیکن اس پوری سلطنت نے آپ کسی تاریخ میں سے یہ نکال کر نہیں دکھا سکتے کہ چھبیس لاکھ مربع میل علاقہ فتح ہوا ایک اکیلے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے زمانے میں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی ایک عورت کی چیخ بھی آپ نہیں سنا سکتے کہ کسی مسلمان سپاہی نے اس پر ظلم کیا ہو کسی بوڑھے کی آہ نہیں سنا سکتے کہ اسے کسی نے دکھ دیا ہو کسی معبد کو اُجڑتا ہوا نہیں دکھا سکتے کسی کافر کو کفر کی پرستش کرتے ہوئے کافرانہ رسومات کرتے ہوئے مداخلت نہیں کی گئی مسلمان سپاہیوں کی طرف سے۔ یہ فاصلہ تھا علم کا اور معلومات کا ہم اس لئے پیچھے رہ گئے کہ علم ہم نے بھی چھوڑ دیا وہ قلبی کیفیات اہل اللہ کے وہ جس طرح مفسرین نے تفسیر بالنقل محدثین نے حدیث پہ کام کیا فقہاء نے فقہی تعبیریں لوگوں تک پہنچائیں اسی طرح امت مرحومہ میں ایک طبقہ ایسا بھی آیا جس نے بزرگوں کی محافل میں بیٹھ کر وہ کیفیات اخذ کیں اور اپنے ملنے والوں کو وہ کیفیات منتقل کیں برکات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم منتقل کیں تاکہ ان تک جو بات پہنچتی تھی وہ معلومات تک نہ رہتی وہ علم بنتی جاتی ان کے قلوب ان چیزوں کو قبول کرتے لیکن ہماری بدنصیبی یہ ہوئی کہ یہاں بھی دکانداری در آئی اور ہم میں ایک عجیب بات ہے۔ ایک عجیب ہمارا مزاج بن گیا ہے کہ جہاں کوئی مرتا ہے اس کے بیٹے کو ہم اس کا جانشین کر دیتے ہیں عجیب بات ہے خصوصاً دین میں وکیل فوت ہوتا ہے تو اس کا بیٹا وکالت پاس نہ کرے اسے ہم وکیل نہیں مانتے انجینئر مر جائے تو اس کا بیٹا پرلے درجے کا بدمعاش بھی ہو پیر ہے عجیب بات ہے اسے اس جگہ بٹھا دیتے ہیں ہم اور سمجھتے ہیں کہ وہ کام یہ کرتا رہے گا۔ اور وہ خود اس کام سے ناآشنا ہوتا ہے اس کا دل خود اُس درد سے خالی ہوتا ہے تو اس وراثت اور اس طرح کی جو تھی ہماری سوچ اس نے ہمیں ان حقائق سے دور کر دیا

ے زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

اور میرے ناقص خیال کے مطابق ہمارا علاج آج بھی یہی ہے کہ ہم واپس علم کی طرف لوٹیں ہم ان کیفیات سے دل کو معمور کریں وہ کیفیات عجیب ہیں آپ صحابہ میں دیکھیں جس کا دھیان کاشتکاری کی طرف تھا اس کے دل میں جب وہ جذبات وہ کیفیات آئیں وہ اعلیٰ درجے کا کسان بن گیا جس میں سپاہانہ جوہر تھے وہ اعلیٰ درجے کا جرنیل بن گیا جس میں حکیمانہ جوہر تھے۔ وہ محقق بن گیا یعنی ہر شعبہ زندگی کا جو مزاج اللہ نے اُسے دیا تھا اس میں وہ کمال کو پہنچا اور دنیا پر اس کمال کے فوائد اس نے تقسیم کیے جب وہ نعمت گئی تو ہم بھی ان کی طرح مغرب والوں کی طرح معلومات کے چکر میں رہے اور معلومات میں وہ ہم سے بازی اس لئے لے گئے کہ وہ نقل کرتے ہیں مسلمانوں کی ہم پیچھے اس لئے رہ گئے کہ ہم معلومات بھی مغرب سے حاصل کرتے ہیں ہم ان کی نقل کرتے ہیں معلومات بھی براہ راست اپنے اباؤ اجداد سے حاصل کرنے کی سعادت سے ہم محروم ہیں ہم اپنے باپ دادوں کو ان کے حوالے سے جانتے ہیں کہ وہ ہمیں ان کے متعلق کیا بتاتے ہیں تو یہ فرق ہے علم کا اور معلومات کا۔

ہمیں علم کے حصول کا دعویٰ ہے تو علم حاصل کرنا چاہیئے معلومات کو علم سمجھ کر اس پر اپنی زندگی ضائع نہیں کر لینی چاہیئے معلومات کا ذخیرہ مادی فوائد تو دے سکتا ہے لیکن انسان کو انسانیت اور انسانیت کے لیے مفید علم ہی بناتا ہے اللہ کریم آپ سب کو نور علم عطا فرمائے اور عالم اسلام کی اصلاح فرمائے

وآخر دعوانا ان الحمد اللہ رب العلمین

تصوّف کی حقیقت و اہمیّت

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

انسانی ہدایت کے اسباب کی بنیاد کیا ہے؟ خود اللہ کریم کا ذاتی کلام اس مقصد کے لیے اللہ نے نازل فرمایا کہ انسانوں کی رہنمائی فرمائی جائے یہ کلام میں نے سُنا، آپ نے سُنا، علماء نے سُنا، پیروں نے سُنا، ہم سے پہلوں نے سُنا، اللہ کے نبی حضرت محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا۔ ساری کائنات نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلی آلہٖ وسلم سے سُنا۔ اس کا نزول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر ہُوا آخر وجہ کیا تھی؟ کیوں نہ کلامِ الٰہی ہر آدمی سُن لیتا اور ہر آدمی مان لیتا؟ کوئی بڑے بدبخت ہی ہوتے جو براہِ راست سُن کر بھی نہ مانتے اور میرے ناقص خیال میں تو زیادہ جھگڑا اس بات پر بنا کہ لوگ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے سُن کر یہ سمجھتے تھے کہ ہمیں ان کی اطاعت شاید کرنی پڑ جائے گی، یہ ہم پر بہت سبقت لے جائیں گے۔ یہ سردار بن جائیں گے۔ پیشوا بن جائیں گے اور ہم آخر ایسا کیوں کریں۔ لیکن شاید سارے لوگ خود سنتے تو درمیان میں یہ جھگڑا نہ رہتا۔

لیکن کلامِ الٰہی کو سننے کی جو استعداد انسان کو دی جاتی ہے اس کا نام نبوّت ہے اگر سارے لوگ سُنتے تو سارے لوگ نبی ہوتے۔ نبوّت اُس تقدس، اُس پاکیزگی، اُس قلبی طہارت اور رُوح کی اس لطافت کا نام ہے کہ جو کلامِ الٰہی کو سُننے اور سمجھنے کی صلاحیت ہوتی ہے آپ دیکھتے ہیں اب آپ کے سامنے سائنس کی ایجادات ہیں۔ ریڈیو ہیں۔ ٹیلیویژن ہے، ٹیلیفون ہے۔ مائیکرو ویو سسٹم ہے ان سب کی فریکوینسیز ہیں فریکوینسی کا مقصد کیا ہوتا ہے۔ اُس زبان کی جو لہریں بنتی ہیں اُن کی شدّت یا کمی کے ایک اندازے کو فریکوینسی کہتے ہیں۔ کسی کی کم ہوتی ہے کسی کی زیادہ ہوتی ہے جو مشین جو آلہ اُسی آواز کو نشر کرتا ہے اس کی ایک طاقت ہوتی ہے اُس طاقت کا نام فریکوینسی ہے اب سامنے سننے والے آلے میں اس طاقت کے پیغام کو قبول کرنے کی استعداد ہوگی تو وہ سُن لے گا۔ نہیں ہوگی تو نہیں سُنے گا۔ ہم ایک ریڈیو آن کرتے ہیں لاہور کی فریکوینسی الگ ہے۔ اسلام آباد کی الگ ہے پشاور کی الگ ہے ہمارے ریڈیو میں تینوں یا چاروں یا اس سے زائد فریکوینسیوں کی گنجائش ہے ہم اس کا وہ ناب پھیرتے رہتے ہیں۔ جس فریکوینسی پہ وہ ناب آتا ہے وہاں کی آواز آنا شروع ہو جاتی ہے۔

کلامِ الٰہی کا جب نزول ہوتا ہے تو اُس کی لطافت اُس کی پاکیزگی اُس کی نورانیت ذاتِ باری کی نسبت سے ہوتی ہے کہ کلامِ الٰہی اللہ کی ذاتی صفت ہے اور صفات میں جمال کا پرتو ہوتا ہے اب اُس درجے کی لطافت اُس درجے کی پاکیزگی اُس درجے کی نورانیت چاہیے اُس قلب میں جو اس کو سُنے اس کو سمجھے اور اس کو رسیو کرے اور اس کی لطافت کا نام نبوّت ہے اس کو عصمتِ نبوّت کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام معصوم عن الخطا ہوتا ہے اس لیے کہ اُس میں پاکیزگی کا وہ بلند درجہ اس

کے قلب میں اُس کے رُوح میں اُس کے باطن میں وُہ بلند درجہ ہوتا ہے لطافت کا طہارت کا پاکیزگی کا نورانیت کا جو کلامِ الٰہی کو سنتا ہے لیکن صرف سننے کا نہیں ہے نبی کا منصب صرف سُننا نہیں ہے ۔

نبی سنتا اس لیے ہے کہ دُوسروں کو سُنائے فرمایا اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ کتاب ہم نے آپ کی ذاتِ بابرکات صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی اس لیے لِتُخْرِجَ النَّاسَ آپ نکالیں انسانیت کو اولادِ آدم کو مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ تاریکیوں سے روشنی کی طرف تو گویا اُس کتاب کو نہ صرف سنانا بلکہ اُس کتاب کو سمجھانا بھی منصب نبوّت ہے یہ کام بھی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کا ہے کہ وُہ لوگوں کو اس کا مفہوم سمجھائیں اُس کی مراد بتائیں قران کی آیت ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سمجھائیں یہ کیا چاہتی ہے اور کس بات سے منع کرتی ہے کیا کرنے کا حکم دیتی ہے اس سے منشا باری کیا ہے ورنہ تو عربی ایسی مُبارک زبان ہے کہ کم از کم میں نے نہیں دیکھا کہ کسی زبان میں متضاد معانی ایک لفظ میں ہوں دن اور رات کے لیے ایک لفظ ہو متضاد معانی ایک لفظ میں ہوں سوائے عربی کے عربی میں ایسے الفاظ بھی ہیں جن کے معانی ایک دُوسرے کی ضد ہیں مثلاً عام لفظ "مولا" ہی کو آپ لے لیں مولا مالک کو بھی کہتے ہیں مولا غلام کو بھی کہتے ہیں آزاد کردہ غلام بھی مولا اور غلاموں کا مالک بھی مولا غلام اور مالک ایک دُوسرے کی ضد ہیں لیکن لفظ دونوں کے اظہار کے لیے ایک ہے تو اگر عربی لغت کو لے کر ہم کتاب اللہ کی تشریح کرنے لگیں گے تو جتنے جتنے ذہن ہوں گے جتنے جتنے اصحاب لغت ہوں گے اتنی اتنی تشریحات سامنے آئیں گے اور یہی بنیاد بنی ہے ہم میں فرقہ بندی اور گروہ بندی کی ۔ لیکن اگر سارا کمال ہم اس طرح پہ چھوڑ دیں جس طرح زبان دانی پہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین دست بردار ہُوئے اہلِ عرب اہلِ زبان تھے ان پڑھ جاہل اور اُجڈ گڈریوں نے جو شعر کہے وُہ آج بھی عربی ادب کی زینت ہیں غلام اور کنیزیں اور باندیاں گھروں میں کام کرنے والے نوکر چاکر جو شعر کہہ دیتے تھے وُہ آج تک عربی ادب کی زینت ہیں ۔ زبان دانی اُن کا انہیں اللہ کا عطیہ تھا لیکن جب کوئی بھی آیت قرآن حکیم کی نازل ہوتی تھی کوئی صحابی کوئی تشریح نہیں فرماتا بلکہ سب رجوع کرتے تھے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کہ اس کا کیا مفہوم ہے اور کیا معنیٰ ہے اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے اس پر عمل کرتے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس عمل کی تصدیق بھی چاہتے یہی وجہ ہے کہ انہیں پھر دین کا [illegible] یا ربِ جلیل نے اور وُہ نبیؐ علیہ السلام جو مبعوث ہُوا تھا ساری انسانیت کے لیے جسے یہ پیغام ازلی جو ہے یہ وہاں وہاں تک پہنچانا تھا جہاں جہاں تک انسانیت کا کوئی ایک فرد بھی رہتا تھا کیونکہ لِتُخْرِجَ النَّاسَ آپ نکالیے اولادِ آدم علیہ السلام کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو جزیرہ نمائے عرب سے باہر قدم مبارک نہیں نکالا اپنی دنیوی حیاتِ مُبارکہ میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب جزیرہ نمائے عرب میں ہی رہے تو معاذ اللہ کیا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف عربوں کو دین سکھا کر دُنیا سے تشریف لے گئے اور مبعوث ہُوئے تھے انسانیت کی طرف ۔ بات یہ نہیں ہُوئی بات تو یہ ہوئی کہ ایک پُوری قوم ایک پُورا معاشرہ ایک پوری سلطنت ایک پوری ریاست ایک پُوری حکومت تربیّت کرکے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ویسی بنائی تھی جیسے قرآنِ کریم کا منشا تھا اور وُہ ذمہ داری اُن کے کندھوں پہ ڈال دی ربِ جلیل نے کہ وہ پوری انسانیت تک وُہ بات پہنچائیں اور عجیب بات ہے کہ ۲۳ برس میں قرآنِ حکیم کا نزول مکمل ہُوا اور حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے چشم عالم سے پردہ فرمایا تو اس کے بعد ۲۳ برسوں کے اندر اندر تعلیماتِ قرآنی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام نے رُوئے زمین پر پھیلا دیا جتنا عرصہ نزولِ قرآن کا ہے آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلفائے راشدین کے ۲۳ سالہ عرصے کو دیکھیں تو اُن ۲۳ برسوں میں وُہ ریاست جو اُن کے ہاتھوں اللہ نے منصۂ شہود پر ظاہر فرمائی اُس کی سرحدیں سائبیریا سے لیکر افریقہ تک اور چین سے لیکر ہسپانیہ تک تھیں جس ساری ریاست کا امیر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا خطیب اور امام تھا۔ اور ایک وقت میں اتنی بڑی ریاست ایک حاکم کے ماتحت پُوری تاریخ انسانی میں کہیں دُوسری جگہ نظر نہیں آتی۔ تو گویا اُنہوں نے حق ادا کر دیا اُس پیغام کو انسانیت تک پہنچانے کا۔

آج ہمارے پاس وُہی پیغام موجُود ہے ہمارے پاس وہی کتاب موجُود ہے ہمارے پاس ارشادات پیامبر صلی اللہ علیہ وسلم موجُود ہیں ان دو باتوں کو کافہ محققین بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ مُسلمان واحد جماعت واحد مذہب واحد اُمّت ہیں جن کے پاس اُن کی نازل شُدہ کتاب اصلی حالت میں موجُود ہے اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ صرف مسلمانوں کے پاس اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر حالت کا بیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر کیفیت اور ایک ایک کلمہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ مُبارک سے صادر ہوا لب ہائے مُبارک سے صادر ہُوا مسلمانوں کے پاس محفوظ ہے اس کے علاوہ کوئی دُوسری اُمّت اس وقت ایسی نہیں جس کے پاس اپنی کتاب صحیح حالت میں ہو یا جس کے پاس اپنے نبی علیہ السلام کے ارشادات صحیح حالت میں ہوں کوئی دُوسری اُمت نہیں ہے نہ یہود کے پاس یہ ذخیرہ محفوظ ہے نہ نصاریٰ کے پاس تو پھر ہُوا کیا۔ عجیب بات ہے۔

آج اور اس دور کا اگر ہم موازنہ کریں تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ میں اعلان فرمایا اور دعوت دی لوگوں کو تو عقلاً محال نظر آتا ہے کہ یہی آواز رُوئے زمین تک پہنچ پائے گی اس لیے کہ رُوئے زمین پر صرف ایک ہستی ہے پھر ایک دُور دراز صحرائی علاقے کی چھوٹی سی اُجاڑ سی بستی میں جہاں نہ کوئی سڑک ہے نہ راستہ نہ وُہ لاریوں کا دور ہے نہ ٹیلیفون کا نہ اخبار کا نہ آنا نہ جانا اتنے ویرانے میں ایک بندہ اللہ کا صلی اللہ علیہ وسلم ایک بات ارشاد فرماتے ہیں تو وُہ بات ساری رُوئے زمین کی انسانیت تک کیسے پہنچے گی عقلاً محال نظر آتی ہے اس محال کو پھر کفار کی کوششیں بظاہر ناممکن بنا دیتی ہیں جب وُہ ہر کافر یہ آواز سُنتا ہے تو بھڑک اُٹھتا ہے پُورا کفر اس کو رد کرنے پہ اسکو دبانے پہ متحد ہو جاتا ہے آپ یہ مت سوچیں کہ آج یہ جو سُپر پاورز کہلاتی ہے اس زمانے میں بھی بڑی بڑی سلطنتیں اور بڑی بڑی طاقتیں تھیں قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں افسانوی سلطنتیں الف لیلوی داستانیں ہیں اُن کی حیرت ہوتی ہے ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ دو دو لاکھ تین تین لاکھ سپاہی قیصر کے گورنروں کے پاس تھے اور یہی حال کسریٰ کی سلطنت کا تھا وُہ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے بظاہر کسریٰ پرویز نے کیوں نامہ مُبارک پھاڑا تھا کیوں توہین کی تھی نامہ مُبارک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آج تو مُسلمانوں کا بچہ پیدا ہو تو یہ خوش ہو کر نام ہی پرویز رکھتے ہیں بچوں کا۔ بچیوں کا بھی میں نے پرویز دیکھا ہے بچوں کا نہیں بچیوں کا بھی پرویز رکھتے ہیں پرویز صرف اس بات سے خفا ہو گیا تھا کہ یہ خط جس نے بھیجا ہے اُس نے میرے نام سے پہلے اپنا نام کیوں لکھا ہے یعنی کسی کا اُنہیں چیلنج کرنا کسی کا اُن کا حکم نہ ماننا کوئی اُن کے خلاف بات کرے یہ تو بہت دُور کی بات ہے وُہ یہ تک برداشت نہ کر سکا کہ تحریر میں کسی کا نام

پہلے آتے اور بعد میں میرا آتے۔

آج تو سائنسی ایجادات کا زمانہ ہے اور ایک آدمی اگر ایک ایسے اوزار پہ بیٹھا ہے تو وہ بہت بڑی ایک حکومت کو بھی روک سکتا ہے وہ زمانہ سائنسی ایجادات کا نہیں تھا ہاتھوں ہاتھ لڑائی کا تھا اور سپر پاور وہی ہوتی تھی کہ جس طرف زیادہ ہاتھ ہوں لیکن ساری کائنات یہ ماننے پر مجبور ہوئی کہ کفر کی ہر طاقت ناکام ہوتی چلی گئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پیغام آپ کے خدام مثل نسیم سحر پھیلاتے ہی چلے گئے اور بالآخر دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک اس انداز میں پھیلا یا کہ انسانیت کے اربوں افراد نورِ ایمان سے آراستہ ہوئے اور قرب الٰہی کی لذتوں سے آشنا ہوئے اور کروڑوں اور اربوں بھولے بھٹکے انسان جب دنیا کی طلب میں تباہ ہو رہے تھے انہیں طلب الٰہی کا چسکا پڑا اور اللہ کی ذات کے طالب بن گئے۔

میں نے پہلے عرض کیا کہ کلام باری میں ایک نور ہوتا ہے ایک لطافت ہوتی ہے ایک کیفیت ہوتی ہے قلب نبوت جب اُسے قبول کر کے اُسے دوسری دفعہ آگے پہنچاتا ہے تو وہ نورانیت نبی علیہ السلام کی وساطت سے نبی علیہ السلام کے نور سے آگے ٹرانسمٹ ہوتی ہے منتقل ہوتی ہے اُن قلوب کو جو نبی علیہ السلام کا پیغام قبول کرتے ہیں تو یہ دو طاقتیں ملتی ہیں ایک آواز الفاظ آیات ایک ان کے ساتھ برکت کیفیت اور حالت ہوتی ہے وہ اتنی لذیز اتنی شیریں ہوتی ہے اتنی مزے دار ہوتی ہے کہ جسے نصیب ہوتی ہے وہ صرف اُسے سننے کے لیے جان دینے کو تیار رہتا ہے قلوب منتظر رہتے ہیں جب دیکھو یہ ایسی لذیز ہوتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعلانِ نبوت فرمایا تو اللہ کا پیغام جنہیں نصیب ہُوا وہ بے چارے معاشرے میں مصیبتوں کا شکار ہو گئے سارا کفر اور سارا شرک اُن پر اُمڈ پڑا مکہ مکرمہ میں ان کی زندگی موت سے زیادہ بدتر ہو گئی تو بڑے مزے کی بات تھی انہیں کہنا چاہیے تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ جب اللہ سے بات کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ سے وحی آتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ربّ کریم سنتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سنتے ہیں تو اللہ کریم سے کہیے کہ ان کافروں کو یہاں سے بھگا دے اور ان سے ہماری جان چھڑائے یا ان کا کوئی تدارک کرے ہم آرام سے رہیں وہ کوئی اپنی طرف سے تجویز کرنے کے بجائے اُس طرف سے تلاشی رہتے تھے کہ وہ بات آئے اُس بات کے ساتھ جو لذت ہے وہ ہمارے دلوں تک پہنچے بات کا مفہوم کیا ہے وہ بعد میں دیکھیں گے جو ہو گا ہمیں منظور ہے بجائے اس کے کہ اللہ کہتا تم میرے ماننے والے ہو تم یہاں جم کر رہو میں کافروں کو بھگاتا ہوں۔ ایسا بے نیاز ہے اس نے کہا اچھا بھئی تمہیں بہت تنگ کرتے ہیں تو تم شہر چھوڑ کر چلے جاؤ تو بڑے مزے کی بات تھی وہ کہہ سکتے تھے اللہ کریم تو بھی ہمیں سے شہر چھڑاتا ہے۔ کیا تو کمزور ہے۔ کہ ہم شہر چھوڑ دیں کسی سے نہیں کہا بلکہ شہر کیا جائیدادیں گھر بار جو کچھ تھا دوست احباب معاشرہ ہر چیز کو چھوڑ کر چل دیے اور یوں چھوڑا کتنی عجیب بات ہے کہ وہی مکہ مکرمہ فتح ہو گیا کفار رسوا ہوئے کفر تباہ ہو گیا انہیں مہاجرین کو مکے پہ سلطنت اور اقتدار اور قبضہ نصیب ہُوا۔ لیکن کسی مہاجر نے واپس جا کر اپنا گھر اپنا دروازہ اپنی زمین اپنا مال اپنا کوئی برتن اپنا کوئی سامان ایک تنکا بھی کسی سے واپس نہیں لیا۔ ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہمیں تو اللہ نے کہا تھا ہم نے چھوڑ دیا

اب ایسا حکم تو اس نے نہیں دیا کہ لے لو کتنی عجیب بات ہے ہمارے ہاں دیکھو ہم میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو تقسیم ملک کے وقت چھوڑ کر آئے مہاجر کہلاتے ہیں۔ لیکن آج اگر اللہ کرے مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے ہندوستان پر تو یہ اپنی چیزیں چھوڑ دینے کی تو کوئی ضرورت نہیں وہ اپنا گھر واپس لیں گے اپنی زمینیں اپنی جائیدادیں واپس لیں گے بلکہ وہاں سے یہاں آکر بھی لوگ ابھی تک کلیموں کے مقدمے لڑ رہے ہیں وہاں میری اتنی جائیداد تھی یہاں مجھے ہندوؤں کی چھوڑی جائیدادیں سے اتنی ملنی چاہیے نصف صدی بیت گئی ہے ابھی تک لڑ رہے ہیں مدینہ منورہ میں ہمیں کوئی مقدمہ نظر نہیں آتا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے مکہ میں اتنی جائیداد چھوڑی تھی اور یہاں تو پہننے کو لباس بھی نہیں ملتا۔

اس لیے کہ وہ جو لذت ہے کلام الٰہی کی وہ جو لذت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کی اللہ کے ارشاد کی وہ لذت ہی دلوں کو اس قدر بے نیاز مستغنی اور دیوانہ کر دیتی ہے کہ چیزیں خس و خاشاک ہو جاتی ہیں ان کا مطالبہ ان کا ہونا یا نہ ہونا یہ تو کوئی بات نہیں بنتی۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

وہ جو لذتِ آشنائی تھی جو معرفت کا چسکا تھا وہ جو اس کا سواد آتا تھا نا وہ اس کے دلدادہ تھے انہیں چیزوں سے اشیاء سے اقتدار سے حکومت سے دولت سے کوئی غرض نہیں تھی اگر کسی کو حکومت ملی تو ذمہ داری ہی ملی۔ کسی کو چوکیداری ملی تو اس نے ذمہ داری سمجھ کے پوری کی کسی کو جرنیل بنا دیا تو ذمہ داری سمجھ کے پوری کی تیسرے کو سپاہی بنا دیا اس نے ذمہ داری سمجھ کے پوری کی مطالبہ تھا اگر سب کا، کوشش اگر تھی سب کی تو اس لذت کے حصول کی تھی جو کلام الٰہی کے ساتھ ہے جو ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔

اُس لذت کی طلب اور اس کا چسکا جب پڑ جاتا ہے تو انسان سود و زیاں سے بالا ہو جاتا ہے دینوی لحاظ سے کیا کھویا کیا پایا اس سے بلند ہو جاتا ہے۔ کون ہارا کون جیتا اس سے بالاتر ہو جاتا ہے کسی کے پاس زیادہ سپاہ ہے کس کے پاس کم ہے کس کے پاس وسائل زیادہ ہیں کس کے پاس کم ہیں اس سے بلند ہو جاتا ہے اور اس کی ایک ہی طرف نگاہ رہ جاتی ہے کہ میرے رب کا میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم کیا ہے صرف ایک بات جاننے کی تمنا اُسے رہ جاتی ہے مجھے میرا حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کیا حکم دیتا ہے وہ میری جان سے مجھے عزیز تر ہے مجھے وہ پورا کرنا ہے نتائج کیا ہوں گے سمجھ جاتا ہے یہ میری ذمہ داری نہیں ہے یہ جس کی کائنات ہے نتائج مرتب کرنا اس کا کام ہے یہ جو کیفیت یہ جو حالت یہ جو دولت ہے اس کو اصطلاح میں برکاتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا ہے۔

تعلیماتِ رسالت کی لذت جو ہے اُس کا نام برکات رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہے تعلیمات رسالت کو جتنے لوگوں نے پھیلایا اُن میں سب سے مقدم جو تھے وہ صحابی تھے یہ صحابی کیسے بنے کتنے چلے کاٹنے سے آدمی صحابی بنتا ہے کتنی تسبیحات پڑھ کر ایک صحابی صحابی بنتا ہے کتنی غزوات یا کتنی جنگوں اور کتنے جہاد میں حصہ لے کر صحابی بنتا ہے کتنا کچھ لکھنے پڑھنے کے بعد صحابی بنتا ہے۔ ہے کوئی قید؟ صرف ایک قید ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہو جائے حضورؐ کی نگاہ اس پر پڑ جائے یا اُس کی نگاہ وجود اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑ جائے تو وجود اطہر صلی اللہ علیہ وسلم پر نگاہ پڑنے سے جو کیفیات وجود اقدس سے اُس کے قلب کو جاتی ہیں وہ اسے صحابی

بنا دیتی ہیں نوافل پڑھنا اُس کا الگ کام ہے جہاد کرنا الگ شعبہ ہے تعلیم دین حاصل کرنا الگ شعبہ ہے۔ لیکن جب صحابی بن جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے قلب میں وُہ طہارت وہ پاکیزگی وُہ لطافت آجاتی ہے جو کلام باری کی لذتوں کو کلام رسالت کی لذتوں کو محسوس کر سکتا ہے۔ قبول کر سکتا ہے۔ وصول کر سکتا ہے اور انسانی تمام اوصاف کے اعتبار سے ہر اُس شخص سے کروڑوں گنا ممتاز ہو جاتا ہے جو صحابی نہیں ایک غیر صحابی صحابی سے زیادہ نوافل پڑھ سکتا ہے ایک صحابی صحابی سے زیادہ جہاد کر سکتا ہے غیر صحابی صحابی سے زیادہ روزے رکھ سکتا ہے مجاہدہ زیادہ کر سکتا ہے لیکن اُس سے زیادہ قرب الٰہی کو نہیں پا سکتا۔ اس لیے کہ اُس میں جو وصف صحابیت ہے وُہ جو براہِ راست ٹرانسمشن ہوئی براہِ راست انتقالِ نُور ہوا اس نے اس میں قرب الٰہی کی وُہ کیفیت پیدا کر دی کہ اخلاقیات میں ایمانیات میں اعمال میں کردار میں امانت میں دیانت میں کوئی غیر صحابی صحابی کے نقشِ کفِ پا کو نہیں پا سکتا وُہ بہت بلند چلا گیا۔

اب یہ جو ایک نیا مسلک ہے کہ صحابی کو صحابی بھی مانے اور صحابی کے کردار پر اعتراض بھی کریں اس میں خطا اس جگہ ہے کہ صحابیت کی حالت اور کیفیت کیا ہوتی ہے یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کی صحابیت صرف ایک ثواب کا نام نہیں ہے بلکہ وُہ جو نُور آتا ہے دل میں وُہ انسانی استعداد کو جلا بخشتا ہے اور ہر انسان ہر اعتبار سے ممتاز ہوتا چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جو جتنا زیادہ قریب رہا جتنا زیادہ عرصہ رہا یا جتنی زیادہ جس کو حقیقت یہ ہے کہ جسے جتنی زیادہ شفقت نصیب ہو گئی وہ صحابیت میں بھی اتنا ممتاز ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ آپ دیکھیں۔

بخاری شریف میں ایک حدیث ہے حضور اکرم ﷺ اصحاب بدر کے بارے میں فرماتے ہیں اگر امت میں اختلاف ہو اور اہل بدر میں سے ایک آدمی باقی ہو اور ساری امت ایک بات پر متفق ہو جائے لیکن اُس کی رائے ان سے الگ ہو۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں عمل اس رائے پر ہو گا جو اس بدری صحابی کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اس لیے نہیں فرما دیا کہ صرف بدری ہے۔ اس لیے فرما دیا کہ جو انوارات وہاں لُٹے جو انوارات وہاں برسے جو رحمتیں وہاں تقسیم ہوئیں۔ اُس کے قلب نے اُن سے حصہ پایا اور نہ صرف آخرت کو نہ صرف الٰہیات کو امور دُنیا کو بھی سمجھنے میں وُہ ساری دُنیا سے آگے نکل گئے اب اُس کا مقابلہ اگر کوئی کرے گا اُس کا دُوسرا وہی ساتھی کرے گا جو بدر میں اس کے ساتھ تھا اہل بدر کے علاوہ اُن کے مقابلے میں امور دُنیا کو بھی کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

اسلام محض ایک فلسفہ نہیں ہے اسلام محض ایک طریقہ نہیں ہے اسلام نری دعوت یا لمیٹڈ کمپنی بنانا یا لوگوں کو جمع کرنا نہیں ہے اسلام محض ایک پارٹی بنانا نہیں ہے اسلام نام ہے انسانی استعدادات کو ان عظمتوں تک پہنچانا کہ وُہ صحیح معنوں میں انسان کہلانے کا مستحق ہو جائے اس کا معاملہ رب کریم کے ساتھ درست ہو جائے اس کا معاملہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ درست ہو جائے اور ہر طرف وُہ حقوق کو پہنچائے بھی حقوق ادا بھی کرے فرائض نبا ہے بھی اور راستی اپنا سکے اس کا نام اسلام ہے۔

ظاہر ہے واحد ہستی تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں بھی اوصاف بٹ گئے۔ کسی میں شجاعت زیادہ تھی۔ کسی میں سخاوت زیادہ تھی۔ کوئی فقہی لحاظ سے مقدم تھا دُوسروں پر دُوسرا تفسیر کے

لحاظ سے اہمیت کا حامل تھا۔ تیسرا حدیث جمع کرنے کے اعتبار سے مختلف شعبے تھے۔ اسی طرح صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ باقی تمام اوصاف کے ساتھ کیفیات قلبی میں بھی سب پر سبقت لے گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کو تم پر ترے نماز اور روزے میں فضیلت نہیں ہے بلکہ وُہ بات جو میرے دل میں تھی وُہ جتنی کثرت سے ان کے دل نے قبول کی ہے کوئی دُوسرا اس کی مثال نہیں بن سکا۔ قرآن حکیم تو سب نے برابر سنا حدیث پاک تو سب نے برابر سُنی نمازیں تو سب نے برابر ادا کیں۔ ہجرتیں بھی سب نے کیں جہاد بھی سب نے کیے لیکن وُہ جو ایک اندر لذّت ہے اُسکو قبول کرنے کی استعداد اس میں وُہ دُوسروں سے بڑھ گئے۔

جب باقی شعبے بنے تفسیر کے حدیث کے فقہ کے تو یہ بھی باقاعدہ ایک شعبہ بن گیا کہ صحابی کی صحبت میں بیٹھنے والا تابعی، تابعی کی صحبت میں بیٹھنے والا تبع تابعی اس حد تک تو وُہ قوت آئی کہ ہر صحابی کو ملنے والا تابعی بن گیا ہر تابعی کو ملنے والا تبع تابعی بن گیا لیکن اس کے بعد لوگوں میں وُہ قوت نہ رہی اور چیدہ چیدہ افراد جنہوں نے مجاہدے محنتیں کرکے اُس قوت کو قائم رکھا وُہ اس قابل کہلائے کہ ان کی محافل میں بیٹھ کر لوگوں نے وُہ کیفیتیں حاصل کیں اور تمام تفسیر تمام ائمہ فقہ تمام ائمہ حدیث اس نور کے حامل تھے سو یہ ایک الگ شعبہ اپنی پُوری قوت سے بن گیا اس کا نام اصطلاح میں تصوف پڑا مشائخ کے پاس بیٹھ کر اُن کی مجلس میں بیٹھ کر اُن کیفیات کو اخذ کرنا جو ان کے قلوب میں آتی ہیں۔

لیکن یاد رکھیں اس کا یہ مقصد نہیں تھا کہ وُہ لوگ مساجد میں بیٹھے بیٹھے رہ گئے نہیں مقصد یہ تھا کہ کیفیاتِ دل میں آئیں تو دل اُس لذت سے آشنا ہو جو کلامِ باری کی ہے اور آدمی کے دل میں بھُوک پیدا ہو کہ کون کون سا حکم ہے اللہ کا اور کونسا حکم ہے اللہ کا اور کونسی بات کا اللہ نے حکم دیا اور ایک ایک ارشاد کے پیچھے اپنی جان لڑا دے اس کو پُورا کرنے کے لیے جہاد کا حکم ہو تو میدانِ جہاد میں نظر آئے صلوٰۃ کا وقت ہو تو نماز پڑھتا نظر آئے روزے کا مہینہ ہو تو رمضان کے ساتھ نظر آئے اور حرام ہو تو اس سے بچتا نظر آئے حلال ہو تو اس کی طرف لپکتا ہُوا نظر آئے اور یہ سارے کام اُس لذت کی تلاش میں کر رہے ہوں جو اس کے قلب کو اللہ کے ارشاد کی تعمیل سے حاصل ہوگی۔ یہ تو تھا مقصد پیری مُریدی کا یا اصل شعبے کا یا جس غرض سے یہ شعبہ بنا۔

لیکن ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ سب سے زیادہ زوال ہی اسی شعبے کو ہے اور تب سے تو یہ شعبہ بیک قلم ختم کر دیا گیا جب بلا تمیز کسی بھی نیک آدمی کی وفات پر کسی بھی بڑے سے بڑے شیخ کے گزرنے پر اُس کے بیٹے کو خواہ وُہ اہل تھا۔ یا اُس کا صرف بیٹا ہونا اہلیت قرار پایا اور اُسے یار لوگوں نے جانشین بنا دیا خواہ اس نے خُود کوئی چیز اپنے والد سے حاصل کی تھی یا نہیں تو وہاں سے خرافات اور رسومات شروع ہوگئیں کیفیات ختم ہوگئیں اب یہ رسم اتنی پُرانی ہوگئی ہے کہ اب تو کوئی سیاست دان بھی مرتا ہے تو اس کا بیٹا سیاستدان بن جاتا ہے خواہ اُس کے مرنے تک اُس نے سیاست کی الف بے نہ سیکھی ہو آپ اپنے ملک میں دیکھ لیجئے ہمارے سارے سیاست دانوں کا یہی حال ہے اختر عبدالرحمٰن کے بیٹے ہوں ضیاالحق کے بیٹے ہوں مفتی محمود صاحب کے بیٹے ہوں یا بھٹو صاحب کے بیٹے ہوں سب کا حال یہی ہے کہ ان کی سیاست کیا ہے ان کا باپ سیاست دان تھا وُہ فوت ہُوا تو وُہ سیاستدان۔ یہ ہمارے مزاج میں سما گیا ہے مُسلمانوں کے اُس مزاج میں کہ ہر جگہ وُہ قانُون کو لگاتے چلے جا رہے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہُوا

کہ اگر تو اتفاقاً جو استعداد والد میں تھی اس کی اولاد میں بھی تھی تو اتنا نہ سہی کسی حد تک وُہ کام کرتا رہا لیکن اکثر یہ ہُوا کہ والد کی بالکل ہی استعداد اور تھی اور اولاد بالکل اُس قابل نہیں تھی وُہ ناخلف تھے ناخلف بھی وہاں بیٹھ گئے وُہ کسی نے کیا کہا تھا ۔

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن
جہاں کبھی شاہین ہُوا کرتے تھے وہاں کوّے بٹھا دیئے

تو ایک عربی شاعر نے کہا تھا ۔

اذا کانوا غراب دلیلا قوم　سیھدیھم الی دار الکلاب

جس قوم کے رہنما کوّے ہوں گے وُہ اُسے مردار پر ہی لے کر پہنچیں گے ۔ جہاں انہوں نے خوُد جانا ہے وہیں اپنے پیچھے چلنے والوں کو بھی لے کر جائیں گے ۔

میری ناقص رائے میں مَیں نہیں سمجھتا کہ آپ لوگوں کی رائے کیا ہے جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں میری ناقص رائے میں اُمت مرحُومہ کا سب سے مہلک مرض ہی یہی ہے کہ ہمارے دلوں میں نہ وُہ لذّت کی طلب رہی ہے نہ اُس لذّت کی خواہش رہی ہے اور نہ صدیوں سے ہم اُس لذّت سے آشنا ہی ہُوتے ہیں ہمارے پاس قرآن بھی ہے ۔ حدیث بھی ہے نمازیں بھی پڑھتے ہیں ۔ روزے بھی رکھتے ہیں ۔ حج بھی کرتے ہیں ۔ نعرہ بھی اسلام کا زندہ باد کہنے میں ہم بٹے ٹکڑے ہیں لیکن کافر کا دیا کھاتے ہیں ۔ اُس کے گن گاتے ہیں ۔ اُس کے پیچھے چلتے ہیں ۔ ہم سب سے بہتر یہ سمجھتے ہیں کہ خود ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہو ۔ امریکہ سے پلیسہ آئے گا کھالیں گے برطانیہ والے مدد دیں گے ہم کھالیں گے رُوس سے خیرات مل جائے گی ۔ کھالیں گے اور کافر ہمیں کتوں کی طرح لڑا رہے ہیں جس طرح کتوں کے درمیان ۔ بندروں کے درمیان جانوروں کے درمیان کھانے کی چیز پھینک کر کوئی تماشہ دیکھے اور وُہ ایک دُوسرے پر جھپٹ رہے ہوں ایک دوسرے کو کاٹ رہے ہیں دنیا طلبی اور اس دنیا کے پیچھے بھاگنے کی وجہ سے وُہ اس لیئے ۔ دُنیا طلبی کیوں آئی قرآنِ حکیم نے اسی آیہ مُبارک میں اس کا ذکر فرمایا ۔

وَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۝ کافروں پہ وائے ہے دُکھ ہے افسوس ہے کافروں پر بہت شدت سے عذاب ہوگا ۔ کیوں ۔ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ جب وُہ اس نُور سے اس لذّت سے اس لطف سے محروم ہوئے تو آخرت کی لذتوں سے محروم ہوگئے آخرت کی آشنائی سے محروم ہوگئے ۔ کیوں کہ اُن کے پاس صرف دُنیا کی لذت رہ گئی ۔ اور ان کی ساری کوششیں دُنیا طلبی میں ہی لگ گئیں حلال حرام جائز ناجائز نیک بد کی تمیز اُٹھ گئی دنیا چاہیے جہاں سے مل جائے ۔ آپ اپنی اکثریت کا اندازہ لگا لیجئے کیا آج ہم میں نیک بد حلال حرام جائز ناجائز اس کی تمیز ہے ہر آدمی صرف اور صرف دولت سمیٹنا چاہتا ہے وُہ وُہ اُسے فرعون کے پاس سے ملے یا اُسے قارُون کے خزانے سے ملے وُہ اُسے دُوسرے کو ذبح کرکے ملتی ہو وُہ اسے رشوت لے کر ملتی ہو جان بلب مریض تڑپ رہا ہوتا ہے اور ڈاکٹر ہاتھ نہیں لگاتا کہ تم مجھے اتنے پیسے دو گے تو لگاؤں گا آدمی مر رہا ہوتا ہے اور ہم اسے پانی کا قطرہ ڈالنے کی بجائے اُس کی جیب پر نگاہ رکھے ہُوئے ہوتے ہیں اس کی جان نکل جائے تو کوئی اور نہ آجائے میں اُس کی جیب پہلے تلاش کرلوں ۔

یہ طلب دُنیا تب آتی ہے قرآنِ حکیم کے ارشاد کے مطابق جب وُہ نور جو تقسیم ہوتا تھا ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سے جب کوئی محروم ہوتا ہے تو یاد رکھیے تصوف میں مشاہدات یا مکاشفات یہ ضروری نہیں ہے ذکر کرنے سے جب دل میں لطافت آتی ہے تو انوارات کا نظر آجانا یہ کوئی

عجیب بات نہیں ہے۔ کسی مقام کا منزل کا نظر آجانا عجیب بات نہیں ہے۔ لیکن تصوف کا اصل مقصود وہ لذت وہ شیرینی کلام الٰہی کے نور کو چکھنے کی طاقت جو اس کا شیدا بنا دے۔ جو اس کی اطاعت پر مجبور کر دے اور جو دیوانہ کر دے کہ ایک ایک حکم کے پیچھے آدمی بھاگ رہا ہو۔ اور ہر حکم کی تعمیل میں اُسے نئی لذت نصیب ہوگی ارے مفت میں کوئی بھاگتا ہے۔ بے لطفی میں کوئی جان دیتا ہے وہ ایک لذت ہے وہ ایک لطف ہے جسے اللہ کریم نے نور کہا ہے لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ جو اس سے محروم ہے اُس کی کیفیت کا نام ظلمت اور تاریکی ہے جسے وہ لطف اور لذت نصیب ہوتی ہے اُس کا نام نور ہے۔

اگر یہ نور آج بھی ہمیں مل جائے یہ نور امت میں عام ہو جائے یہ نور مسلمانوں کے سینوں کو منور کر دے تو فرشتے تو آج بھی اُتر سکتے ہیں ہر میدانِ جنگ میں جہاں تم جنگ کر رہے ہو۔ کفار کی ساری تدبیریں الٹ سکتی ہیں شرط صرف یہ ہے کہ ہم میں صرف وہ خلوص آجائے جو اس کی نور کی بدولت آتا ہے اور یاد رکھیں یہ تصوف بے کاری کا نام نہیں ہے کہ آدمی برقعہ پہن کر کونے کی طرف منہ کر کے بیٹھ جائے اور کچھ نہ کرے اور وہ سمجھے کہ میں صوفی ہو گیا ہوں یہ اس قوت کا نام ہے کہ میدان عمل میں جائے۔ لیکن اللہ کی اطاعت کا دامن اُس کے ہاتھ سے نہ چھوٹے اُس میں ایک ایسی قوت آجائے ایک ایسی طاقت آجائے اندر ایک ایسی لذت آجائے جو ہر حال اُسے آپ دیکھتے ہیں جس آدمی کو شراب پینے کا چسکا پڑ جائے جسے ہیروئن پینے کا چسکا پڑ جائے جو چرسی ہو جاتا ہے اُسے گھر والے ملامت کرتے ہیں معاشرے والے ملامت کرتے ہیں حکومت والے پکڑ کر جیل میں دے دیتے ہیں وہ وہاں بھی کہتا ہے مجھے تھوڑی سی ہیروئن لا دو۔ مجھے تھوڑی سی چرس چاہیے چوری چاہیے زوری چاہیے۔ برتن بیچتا ہے گھر بیچتا ہے عزت گنواتا ہے صحت گنواتا ہے۔ لیکن وہ سُوٹا لگانے سے باز نہیں آتا۔ یہ لذت اگر ذاتِ باری کلام باری اور ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیدا ہو جائے آدمی جان سے جائے آدمی کا گھر جائے اُس کی آبرو جائے اُس کا اقتدار جائے لیکن اطاعت پیامبر نہ جائے اس کیفیت کا نام تصوف ہے یہ چسکا پڑ جائے یہ لذت آ جائے یہ دل میں ایک شیرینی آجائے یہ از خود نہیں آتی کیونکہ از خود ہر آدمی کو تقسیم نہیں ہوئی اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو تقسیم فرمائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ پہ تقسیم فرمائی اور صحابہ نے تابعین پہ تبع تابعین پہ سینہ بسینہ چلتی رہتی ہے۔

مسلمان تو وہ بھی ہو گیا جس نے قرآنِ حکیم کو مان لیا صحابی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا لیکن مسلمانی کی جو کیفیت ایک صحابی پہ وارد ہوئی اُس پر نہ ہو سکی اسی طرح محض ایمان لا کر آدمی مومن تو ہو سکتا ہے مسلمان تو ہو سکتا ہے۔ لیکن مسلمانی کا کمال اور حسنِ اسلام جو ہے وہ اس لذت کے بغیر نصیب نہیں ہوتا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جسے تصوف نصیب نہیں وہ مسلمان ہی نہیں اللہ معاف کرے جو بھی ایمان کا اقرار کرتا ہے بحمد اللہ سب مسلمان ہیں لیکن اسلام کا وہ حسن وہ لطافت وہ مزا وہ لطف جو صوفی کو نصیب ہے غیر صوفی کو نہیں تو کام تو کیا ہی اُس کے کمال کے لیے جاتا ہے۔

اللہ کریم ہمیں دین کی سمجھ اُس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری خطاؤں کو تاہیوں سے درگزر فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد اللہ رب العلمین

حیاتِ قلب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ وَلَا تَقۡفُ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنۡہُ مَسۡئُوۡلًا ۝

پندرہویں پارے میں سورۃ بنی اسرائیل میں تیسرے رکوع کی آیات ہیں اور ان سے پہلے اور ان کے بعد کی آیات میں رب جلیل نے معاملات اور اخلاقیات کا اسلامی انداز و اسلوب بیان کیا ہے اس پر بحث فرمائی گئی ہے یہاں ایک جملے میں انسانی زندگی کی راہ متعین کرنے کے انداز کو سمیٹ دیا گیا ہے اور وہ بڑا سیدھا سا قانون ہے۔

وَلَا تَقۡفُ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ

جس شے کے متعلق تجھے یقینی علم حاصل نہیں ہے اُس پر کسی عمل کی بنیاد مت رکھو اس کے پیچھے مت پڑو اگر ہم اپنے گرد دیکھیں تو سب سے پہلی بات یہ ہے کہ انسان کی گمراہی کا بنیادی سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ یقینی اور قطعی تعلیمات جو انبیاء علیہ السلام کی معرفت نصیب ہوتی ہیں انہیں چھوڑ کر اوہام اور ظنیات کے پیچھے بھاگنے لگتا ہے بنیادی طور پر ایمان کے ضائع کرنے کا سبب ہی یہ بنتا ہے کہ جو باتیں کوئی اپنا قطعی ثبوت نہیں رکھتیں انسان ان کے پیچھے بھاگنے لگتا ہے اور ان دلائل کو چھوڑ دیتا ہے جو قطعی ہوتے ہیں جو بالکل سچے اور کھرے ہوتے ہیں یہ قاعدہ اتنا عام اور انسانی زندگی میں اتنا دور تک جاتا ہے کہ بے شمار سوالات ایسے آتے ہیں جن میں بتانے والے کا نام نہیں ہوتا اس نے کس حوالے سے بتایا حوالہ نہیں ہوتا کہ کون آدمی تھا اس نے کونسی کتاب میں یہ بات پڑھی یا اس سے کس معتبر یا ذمہ دار آدمی نے یہ بات بتائی یہ کچھ نہیں ہوتا صرف یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں ایسا ہوتا ہے آپ اگر تجزیہ کریں تو اپنی زندگی میں آپ کو بے شمار ایسی چیزیں ملیں گی جن کے پیچھے صرف یہ ایک بات ہے کہ لوگ ایسا کہتے ہیں کون کہتے ہیں کسی کا نام نہیں ہے وہ کیسا آدمی ہے کوئی پتہ نہیں ہے ایسی بات کو قابلِ اعتنا ہی نہ سمجھا جائے۔ دین ایک رواج نہیں قانون ہے اسلامی زندگی کا مسلمان کی زندگی کا ایک قاعدہ اور ضابطہ ہے۔

بلکہ انسان اگر ان چیزوں پر بحث کرنے سے اجتناب کرے جن کے ساتھ ان کا براہ راست تعلق نہیں ہے تو اس کے

سو میں سے ننانوے مسائل حل ہو جاتے ہیں ہم نے اگر اپنے سامنے سو مصیبت کھڑی کر رکھی ہے تو بڑی مشکل سے ان میں سے ایک آدھ ایسی ہو گی جس کے ساتھ براہ راست ہمارا تعلق ہو گا۔ ننانوے ایسی ہوں گی جو محض سُنی سنائی ہیں کسی دوسرے کی ذمہ داری ہے کسی دوسرے کا فرض ہے کسی کا حق ہے کسی کا نہیں ہے وہ سچ ہے یا جھوٹ ہے ہم ذمہ دار نہیں۔

یہاں ایک دوست آیا کرتے ہیں کبھی کبھی آج کل وہ ریٹائرڈ ہیں کبھی وہ پنجاب کے چیف جسٹس تھے بڑی پریشانیوں کا رونا رویا میرے سامنے میں نے کہا ایک چھوٹی سی بات عرض کر دوں۔ میرا اپنا یہ قاعدہ ہے کہ میں وہ بات سنا کرتا ہوں جو کسی نہ کسی طرح میرے متعلق ہو یا میرا اس میں کوئی کردار ادا کرنے کا موقع ہو یا میری کوئی ذمہ داری ہو۔ اگر میرے متعلق اس میں کچھ نہیں تو مجھے میرے گھر والے بھی وہ بات نہیں بتاتے نہ میں سنا کرتا ہوں۔ انہیں روک دیا ہوا ہے کہ میرے ساتھ وہ بات کی جائے جس کا تعلق میرے ساتھ ہے آپ بھی تجربہ کر کے دیکھ لیں تو دوسری دفعہ وہ مجھ سے ملنے آئے تو کہنے لگے اب کوئی مصیبت نہیں رہی جن باتوں سے میرا براہ راست تعلق ہے وہ تو میں پوری ذمہ داری سے ادا کرتا ہوں پریشانی تو ان باتوں کی تھی جن کا میرے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں۔ میں جب اپنی ذمہ داری ادا کرتا ہوں تو دوسرا کیا کرتا ہے کیا نہیں کرتا اس نے اپنے مالک کو حساب دینا ہے اس نے اپنی قبر میں جانا ہے اس نے اپنے کئے کا پھل پانا ہے

جس قدر فساد معاشرے میں بپا ہوتے ہیں ان کی تحقیق اگر کریں تو ان میں بیشتر کی بنیاد ایسی روایات پر ہوتی ہے جن کی کوئی اصل نہیں ہے محض سنی سنائی بات سے کوئی نہ کوئی آدمی بھڑک اُٹھتا ہے اور نوبت افراد کے قتل سے لیکر ممالک اور اقوام کی تباہی تک چلی جاتی ہے آپ آج تک دوسری جنگ عظیم کے تباہی کے حالات سنتے آئے ہیں اربوں لوگ کروڑوں لوگ مارے گئے کئی ملک تباہ ہوئے۔ پوری دنیا جنگ کی لپیٹ میں آگئی لیکن اس کے شروع ہونے کا سبب تلاش کریں تو معلوم ہو گا کہ ایک سکنڈ لیفٹیننٹ نے غلطی سے ایک آدمی کو گولی مار دی تھی کسی نے تحقیق کرنا گوارا نہیں کی۔ مطالبہ ہی کسی نے نہیں کیا۔ جس آدمی نے غلطی کی تھی اُسے سزا دی جاتی مگر اُس کے مقابلے میں گولی چلی پھر گولیاں ہی گولیاں چلیں اور یوں پوری دنیا جنگ کی لپیٹ میں آگئی۔ یہ ایک واقعہ نہیں ہے زندگی میں جتنے احکام شرعی پہ لوگوں کے شکوک ہیں جس قدر اعتراضات کیے جاتے ہیں کسی اعتراض کے پیچھے میں نے آج تک کوئی جامع دلیل نہیں دیکھی اس کی بنیاد ایسی ہوتی ہے کہ لوگ ایسا کہتے ہیں سنا ہے ایسا ہوتا ہے تو شرعاً اس جملے کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ مسلمان کے لیے قاعدہ یہ ہے کہ جس بات کے ساتھ ثبوت یا دلیل نہ ہو اس پر وقت ضائع نہ کرے اس پر توجہ ہی نہ دے درخور اعتنا ہی نہ سمجھا جائے اس لیے کہ اللہ کریم فرماتے ہیں سننے سے دیکھنے سے اور محسوس کرنے سے کیفیات کا حساب ہو گا۔

آپ کو یہ سماعت یہ بصارت اور یہ غصے اور خوشی کی کیفیات پیدا کرنے والا قلب مفت میں نہیں دے دیئے گئے۔ کہ یہ کوئی فالتو چیزیں تھیں اللہ نے پھینک دیں اور آپ نے اٹھالیں یہ اللہ نے بہت قیمتی نادر اور عجیب و غریب خصوصیات کے حامل اوزار دیئے ہیں آپ کو جس طرح کسی فوجی کو اسلحہ تو دیا جاتا ہے لیکن ایک ایک بُلٹ کا حساب بھی لیا جاتا ہے اس طرح میدانِ حیات میں آپ کو یہ ہتھیار دیئے گئے ہیں۔ آپ دیکھ سکتے ہیں آپ سُن سکتے ہیں حالات دیکھنے کے لیے ہوتے ہیں۔ فرمایا: دیکھنا یا سننا فضول باتوں کا اللہ کی نعمتوں کو ضائع کرنے کے مترادف ہے اور اللہ اپنی نعمتوں کا حساب لیں گے جس نگاہ کے بارے تمہارا خیال یہ ہے کہ آخر چیزیں دیکھنے ہی کے لیے ہیں وہ نگاہ کسی دی ہوئی ہے اُس سے تم ضرور دیکھو لیکن جو چیزیں تمہیں چاہیئے وہ تلاش

کرو اس سے تم ضرور دیکھو لیکن دینے والے کی عظمت کو تلاش کرو اس کی قدرت کاملہ کے دلائل کو دیکھو اپنی زندگی کی صاف ستھری راہ کو دیکھو اور تلاش کرو۔ دیکھنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ ہر فضول بات دیکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ جہاں تک فحش مناظر یا بے حیائی کے کاموں کی بات ہے آپ انہیں رہنے دیجئے وہ تو بجائے خود ایک الگ جرم ہو گیا وہ کام جو جرم نہیں ہے وہ بات جو جرم نہیں ہے لیکن آپ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اس کا دیکھنا بھی شرعاً بصارت کا ضیاع ہے۔ کیوں دیکھ رہے ہیں آپ؟ اس سے آپ کو کیا غرض ہے؟ کیا مقصد ہے؟ عبرت لینا چاہتے ہیں؟ سبق حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ اس میں کوئی خرید و فروخت کرنا چاہتے ہیں؟ اس میں آپ کا کوئی نقصان ہے اُس سے بچنا چاہتے ہیں؟ آپ کا اس میں کوئی نفع ہے حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ اگر یہ کچھ بھی نہیں آپ محض دیکھ رہے ہیں اللہ کریم فرماتے ہیں میں نے محض دیکھنے کے لیے بصارت تو نہیں دی آپ نے کبھی یہ سنا کہ کسی کو قلم عطا ہوا اور وہ لکیریں مار مار کر کاغذ بھیک رہا ہو" کیا لکھ رہے ہو" "محض لکھ رہا ہوں"۔ آپ نے کبھی یہ سنا کہ کسی سپاہی کو اسلحہ دیا گیا ہو اور محض گولیاں ہوا میں چلا رہا ہو۔ "کیا کر رہے ہو"؟ "بس صرف گولیاں چلا رہا ہوں"۔ کیا یہ کام دانشمندانہ ہے یا اس پر اُسی کو معاف کر دیا جائے گا یا پرسش نہیں ہو گی۔

فرمایا: جب تم اپنے ماتحت کو کوئی چیز دیتے ہو تو تم یہ توقع نہیں کرتے کہ وہ بلا مقصد اسے خرچ کرے۔ بغیر کسی جواز کے اُسے استعمال کرے۔ بغیر کسی ضرورت کے اسے ضائع کرے تو جو نعمتیں تمہیں دی گئی ہیں تم ان کو ضائع کیوں کرتے ہو۔ ہم دیکھا دیکھی دیکھ رہے ہیں ہم دیکھنے آئے تھے محض نظارہ۔ کوئی بات نہ ہوئی۔ اس لیے کہ تم جو کچھ دیکھتے ہو اس کا جواز دینا ہے ضرور دیکھو اس کی عظمت کے دلائل کو ضرور دیکھو اس کی صنعت کی نشانیوں کو ضرور دیکھو اپنے لیے عبرت کے سامان کو ضرور دیکھو اپنے کاروبار اپنے معاملات کو۔ لیکن جن میں تمہارا کوئی دخل نہیں ہے تمہارا کوئی نفع و نقصان نہیں ہے تمہارا کوئی آنا جانا نہیں ہے تو محض صرف دیکھنے کے لیے دیکھنا کہ آنکھ ہاتھ آگئی ہے اسے استعمال کرو۔ فرمایا: یہ تو درست نہیں ہے اور اگر غیر متعلقہ چیز کو دیکھنا شرعاً درست نہیں ہے تو جن باتوں کو دیکھنے سے روک دیا گیا جن کا دیکھنا ہی شرعاً حرام ہے تو ان کا دیکھنا تو دور کی بات ہے اسی طرح سماعت کا بھی حساب ہو گا۔

کیا سنتے ہیں آپ؟ اللہ کی بات سنتے ہیں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنتے ہیں اللہ جل شانہٗ کے قرب کا کوئی طریقہ کوئی ذریعہ بتا رہا ہے وہ سنتے ہیں کاروبار کی بات سنتے ہیں اپنے نفع و نقصان کی بات سنتے ہیں اپنی صحت و بیماری کی بات سنتے ہیں اپنے فرائض کے متعلق اپنی ذمہ داریوں کے متعلق کوئی بات سنتے ہیں اپنے نقصان کا جہاں کوئی اندیشہ ہو وہ بات سنتے ہیں کہ اس سے بچا جائے پھر تو ٹھیک ہے۔ آپ کے سننے کے لئے کان ہیں لیکن ان میں سے اگر کوئی بات نہیں اور آپ محض سننے کے لیے سنتے ہیں تو فرمایا: یہ تو کوئی بات نہ ہوئی یہ تو اللہ کی نعمت کا ضیاع ہوا۔

اور بصارت و سماعت دو ذریعے ہیں اللہ کریم نے جہاں انہیں وجود کی بقا کے ذرائع اور اسباب تلاش کرنے کا سبب اور فریضہ سونپا ہے وہاں انہیں اسباب و ذرائع میں اپنی عظمت کے آثار بنا دیئے۔ ہم غذا حاصل کرتے ہیں تو ہر پھول ہر پھل ہر پتہ ہر ڈالی ہر دانہ غذا کا ہر ریزہ پروردگار کی عظمت کا پتہ دیتا ہے۔ تو آنکھ اور کان جہاں یہ وسائل ذرائع اور جہاں یہ غذا کے ذرات جمع کرتے ہیں وہاں ان کی ہی ذمہ داری ہے کہ ان اسباب و ذرائع کو اس طرح سے جانچیں کہ کہیں وہ اللہ کی بارگاہ سے دوری کا سبب تو نہیں بن رہے اللہ کی ناراضگی کا سبب نہیں بن رہے یہ صرف پیٹ بھرنے کے لیے نہیں ہیں۔

حیوانوں کو دیئے گئے اعضاء و جوارح۔ انہیں سماعت بھی دی انہیں بصارت بھی دی لیکن انہیں مکلف نہیں بنایا۔ ان میں وہ استعداد نہیں ہے کہ وہ مالک کو پہچان سکیں لہٰذا انہیں غذا حاصل کرنا ہے اپنا ہے یا پرایا صاف ستھرا ہے یا ناپاک ہے اچھا یا بُرا اس سے انہیں غرض نہیں ہے اسی طرح انسانوں کو جو اعضا دیئے گئے ہیں ان کا معیار انسانی ہے انسان کو جائز و ناجائز حلال حرام خوب اور ناخوب بھلے اور بُرے کی تمیز بھی کرنا ہے صرف غذا حاصل نہیں کرنا چونکہ انسانی آنکھ وہاں تک دیکھ سکتی ہے جہاں تک دوسرے حیوانات کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ وہ پاک پلید جائز ناجائز کی باریکیوں کو نہیں پا سکتے وہاں تک ان کی نگاہ نہیں جا سکتی لیکن انسان کی نگاہ جا سکتی ہے تو جہاں ان سے حصول رزق کا کام لیا جا سکتا ہے وہاں انہیں سماعت اور بصارت سے جو اثرات مرتب ہوئے ہیں وہ ہمیں اللہ کی رضامندی یا اس کی ناراضگی میں ڈالنے کا سبب بھی بنتے ہیں۔

آنکھ براہ راست دیکھتی ہے اس کا حساب ہوگا۔ کان براہ راست سنتا ہے اس کا حساب ہوگا لیکن شاید لوگوں کا خیال یہ ہے کہ دل میں جو اثر پیدا ہوتا ہے وہ صرف ان آلات کی وجہ سے ہوتا ہے مگر یہاں قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ میں دل کو آنکھ اور کان کے برابر کھڑا کیا گیا ہے۔ کان صرف سنتا ہے آنکھ صرف دیکھتی ہے لیکن دل دیکھتا بھی ہے سنتا بھی ہے۔ اس لئے یہ نہیں فرمایا گیا کہ کان اور آنکھ کا حساب ہوگا۔ انہوں نے دل کو کیوں خراب کر دیا یا انہیں انعام دیا جائے گا کہ انہوں نے دیکھ اور سن کر دل کو سنورا بلکہ ان کے برابر فرمایا۔

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ ۔ آنکھ بھی کان بھی اور دل بھی كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ ان سب کا برابر حساب ہوگا۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دل بجائے خود دیکھتا اور سنتا ہے دل میں خود ایک استعداد ہے کہ وہ چیزوں کو محسوس کر کے اپنی روشنی اور نور حاصل کرے یا چیزوں کو محسوس کر کے اس پر ظلمت اور اس پر اندھیرا طاری ہو یہی وجہ ہے بیشک آنکھ بھی دل کو متاثر کرتی ہے بیشک کان بھی دل کو متاثر کرتا ہے لیکن دل کی اپنی کیفیت الگ ہوتی ہے جن کے دل روشن ہوتے ہیں کان اور آنکھیں ان کی بھی ہوتی ہیں ایک شخص کی آنکھ ایک بات کو دیکھ کر اسے اس میں الجھا لیتی ہے خواہ وہ گناہ کا کام ہو خواہ وہ منظر بے حیائی کا ہو لیکن اس کی آنکھ اسے اس میں لگا لیتی ہے۔ دوسرے شخص کی آنکھ اس پر پڑتی ہے تو اس کا دل اس کی آنکھ کو بھی پھیر دیتا ہے کیا یہ روزمرہ کی زندگی میں آپ نہیں دیکھتے۔ ایک شخص ایک بات کو بڑے غور سے دیکھتا ہے دوسرا اُسے دیکھتا ہے تو نہ رُک جاتا ہے اسے بھی کہتا ہے یہ کیا تماشہ ہے ختم کرو اس کو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دل نے اس کو رد کر دیا اس کے دل نے نہ صرف یہ کہ دیکھنا پسند نہیں کیا اس کی آنکھ کو بھی دیکھنے سے روک دیا۔

جیسے آنکھ مکلف ہے جیسے کان مکلف ہے۔ جیسے آنکھ سے پرسش ہوگی تو ویسے ہی دل کی پرسش ہوگی اگر آنکھ کو دیکھنے کیلئے ایک جہان دیا ہے کان کو سننے کے لیے اپنی کتابیں دی ہیں اپنے احکام دیئے ہیں اپنے نبیوں کے ارشادات دیے ہیں تو دل کو بھی کوئی کیفیات یقیناً دی ہوں گی تب ہی اس کا محاسبہ ہوگا۔ اگر اسے برابر میں استفادہ کرنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا تو اُسکے برابر اس کا محاسبہ کرنے کا کیا فائدہ تو اس کا معنی ہوا کہ کانوں اور آنکھوں کی رہنمائی اگر اللہ کا نبی علیہ السلام اور اللہ کا رسول کرتا ہے اللہ کے جمال کو آنکھ اگر دیکھتی ہے تو نبی علیہ السلام کی وساطت سے اللہ کی بات کو کان اگر سننے کے قابل ہوتا ہے نبی علیہ السلام کی وساطت سے دل بھی اگر کیفیات پانے کے قابل ہوتا ہے تو یہ ذمہ داری بھی نبی علیہ السلام اور رسول کی ہوگی کہ دل آنکھ کان سے بہرحال قیمتی ہے آنکھ جسم سے چلی جائے جسم باقی رہتا

ہے کان ختم ہو جائیں جسم باقی رہ سکتا ہے لیکن دل کی ایک دھڑکن مس MISS ہو جائے تو سارا جسم فنا ہو جاتا ہے اور دل کام بند کر دے تو حیات کا تصور نہیں رہتا اگر کان کے لیے اہتمام ہے آنکھ کے لیے اہتمام ہے تو اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ دل کے لیے جو اہتمام ہے وہ بدرجہ اتم ہے آنکھ اور کان سے زیادہ۔

اسی لیے جن کی آنکھیں نہیں تھیں جن کے کان نہیں تھے لیکن صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچے تو صحابی ہو گئے دل نے اپنی کیفیات حاصل کر لیں کوئی اس وجہ سے محروم نہیں رہا کہ وہ بہرہ تھا اس کا مطلب یہ ہوا کہ دل براہ راست چیزیں حاصل کرنے کی استعداد رکھتا ہے خود یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر دل کا محاسبہ ان کے برابر ہو گا تو ان کے برابر دل نظارہ بھی کر سکتا ہے بات بھی سن سکتا ہے اگر آنکھ کو دیکھ کر کبھی خوشی ہوتی ہے کبھی نفرت سے بھر جاتی ہے کان کسی بات کو سن کر راحت پاتا ہے یا اسے شور و شغب قرار دے کر اس سے دور ہو جانا چاہتا ہے تو دل میں بھی یہ کیفیت موجود ہے کہ وہ کسی بات کو پسند کر لے کسی کو رد کر دے۔ آنکھ میں نور چاہیئے کان کی صحت و سلامتی چاہیئے۔ اسی طرح سے دل کی حیات بھی ضروری ہے۔ دل خود جسم کے لیے باعث حیات تو ہے لیکن دل کو خود زندہ رہنے کے لیے بھی ایک حیات چاہیئے۔

ایک ڈاکٹر صاحب سے پوچھا جو ہمارے یہاں پاکستان میں امراض قلب کے سپیشلسٹ ہیں کہ آپ بائی پاس کا جو اپریشن کیا کرتے ہیں اس کا اتنا شہرہ ہے تو اصل میں یہ بیماری کیا ہے؟ اور آپ یہ کیسے کرتے ہیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ جسطرح باقی جسم کو خون سپلائی ہوتا ہے اسی طرح خود دل کو زندہ رہنے کے لیے بھی بعض رگیں اور بعض باریک نسیں خون سپلائی کرتی ہیں اس کے بھی ایک ایک ذرے میں خون پہنچتا ہے وہ نسیں جب بند ہونا شروع ہو جاتی ہیں یا خشک ہونے لگتی ہیں یا کوئی مادہ جم کر انہیں بند کرنے لگتا ہے یا ان میں سے کوئی رگ بند ہو جائے تو اس کا مطلب ہے خود دل مر جاتا ہے وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ تو یہ جو بائی پاس کرتے ہیں وہ یوں ہوتا ہے کہ جسم کی کہیں سے کوئی نس لے کر وہ رگ جہاں سے تنگ ہو گئی ہے وہاں سے اسے کاٹ کر اس کی جگہ وہ پیچ لگا کر دوسری رگ اس میں ڈال دیتے ہیں تاکہ دل کو خون ملے۔ مطلب ہے جسمانی طور پر دل جو پورے جسم کو زندہ رکھتا ہے خود اسے بھی اپنی حیات کی ضرورت ہے دل جو ہر رگ میں خون پہنچاتا ہے خود اس کے اندر بھی رگیں موجود ہیں ان میں خود اس کو بھی خون کی ضرورت ہے۔ دل جس طرح سے سارے جسم کو زندہ رکھتا ہے اس کو اپنی اس باطنی اور قلبی حیات کی بھی ضرورت ہے جو نور ایمان سے نصیب ہوتی ہے۔

اور یہی کمال ہوتا ہے نبوت کا اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا: اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ ہم نے آپؐ کو بشارت دینے والا، گناہ کے مآل سے بروقت خبردار کرنے والا، اللہ کی طرف دعوت دینے والا بنایا اور سراج منیر الیسا روشن چراغ جو روشنیاں بانٹتا ہو۔ جس طرح ارض و سما میں ایک سورج کو چمکا کر پوری کائنات میں حیات دوڑا دی رب کریم نے۔ ایک سورج کی چمک پوری کائنات میں زندگی کا بنیادی سبب ہے اسی کی روشنی سے بخارات بنتے ہیں اور بارشیں ہوتی ہیں اور اس کی دھوپ سے زمین کے نیچے بیج گلتے سڑتے ہیں اور اسی کی دھوپ سے پھل پکتے ہیں اور پوری زندگی کی جو یہ گاڑی چل رہی ہے اس کا جو مرکز ہے طاقت کا منبع وہ سورج ہی ہے اور سورج ہی سراج منیر ہے کہ وہ روشنی کو اپنے تک محدود نہیں رکھتا وہ روشنی کو بانٹتا ہے ایسا چراغ جو روشنی کو بانٹتا ہے اس کی روشنی جگہ جگہ پہنچ کر حیات کا سبب بنتی ہے اور زندگیاں بانٹتا

ہے پھلوں میں پھولوں میں بیجوں میں گھاس میں درختوں میں حیوانوں میں انسانوں میں اسی طرح سے یہ اگر مادی عالم کا روشن چراغ ہے۔

نور وحیات کے لطیف جہان کا روشن چراغ ہے اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم اور جس طرح سے بیج پھوٹتے ہیں زمین کے سینے میں، اسی طرح انسانوں کے سینے میں دلوں کی تخم ریزی ہوتی ہے دل پھوٹتے ہیں دلوں میں نور پیدا ہوتا ہے جس طرح بڑے بڑے کھیت لہلہاتے ہیں درخت سرسبز ہوتے ہیں ان پہ پھل آتا ہے اسی طرح دل کی دنیا بھی آباد ہوتی ہے اسی سراجِ منیر سے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہیں۔ اُسی سے دل روشنیاں حاصل کرتے ہیں دل ترقی حاصل کرتے ہیں دل کیفیات حاصل کرتے ہیں اور اگر وہ حیات دل میں نہ ہو تو دل نگاہ کا اور سماعت کا تابع ہو جاتا ہے آنکھ دیکھ کر متاثر کرتی ہے کان سن کر اُسے متاثر کرتا ہے لیکن کمال اس حیات کا یہ ہے کہ اگر نورِ قلب میسر ہو اور قلب قوی ہو جائے تو آنکھ اور کان اُسے متاثر نہیں کرتے بلکہ وہ ان کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے اور دیکھنے کی پسند ہو تو اجازت دیتا ہے اسے پسند نہ ہو تو آنکھ بند ہو جاتی ہے وہ بات جو اُسے پسند ہو تو اسے سننے کی اجازت دیتا ہے جو اُسے خوش گوار نہ لگے کان اُسے سننے سے انکار کر دیتے ہیں تو جب یہ بات مشاہدے سے بھی ظاہر ہے جب یہ بات ہمارے تجربے سے بھی ظاہر ہے کہ ایسا ہوتا ہے تو پھر یہ ثابت ہوا کہ واقعی دل کا محاسبہ ہونا چاہیئے۔ دل تو ان کے برابر کا نہیں ان سے زیادہ طاقتور ہے ان سے زیادہ مؤثر ہے اور زیادہ اثر پیدا کرتا ہے انسانی حیات کو، انسانی زندگی کو، انسانی معاشرے کو انسانی کردار کو ان سب سے زیادہ متاثر کرتا ہے

لیکن دل کی موت خرافات میں ہے جن باتوں کا ثبوت نہ ہو۔ جن کاموں میں ذمہ داری نہ ہو جن فرائض سے تمہارا تعلق نہ ہو ان میں الجھو گے تو دل مر جائے گا محققین فرماتے ہیں

دل زپُر گفتن بمیرد در بدن
گرچہ گفتارش بود دُرِ عدن

زیادہ باتیں کرنے سے دل مر جاتا ہے بدن کے اندر اگرچہ اس کی باتیں بہت خوبصورت اور قیمتی بھی ہوں بہت خوبصورت باتیں کرنے والوں کا بھی دل باتوں کی کثرت سے مر جاتا ہے۔ کیوں کہ ہر متکلم مخاطب سے اثر قبول کرتا ہے جو غیر مرئی طور پر دل دل سے قبول کرتا رہتا ہے۔ آپ کسی شخص سے نفرت کرتے ہیں اور زبانی اس کی خوشامد کرتے ہیں دل سے اس سے نفرت کرتے ہیں تو وہ بھی آپ سے نفرت کرے گا۔ آپ کی خوشامد پر مطمئن نہیں ہو گا۔ جس شخص سے آپ محبت کرتے ہیں آپ اُسے جھڑکیں آپ اُسے گالیاں دیں آپ اس سے سخت کلامی کریں وہ جواب محبت میں دے گا۔ یہ ایسی حقیقتیں ہیں جو ہمارے ارد گرد پھیلی ہیں اولاد سے محبت کرتے ہیں ہم اولاد کو جھڑکتے ہیں اولاد کو بھگا دیتے ہیں وہ واپس ہمارے گھٹنے کے پاس آ بیٹھیں گے وہ کبھی بھاگ نہیں جائیں گے وہ جواب محبت سے دیں گے اس لیے کہ وہ جھڑکنا محض دکھاوا ہے دل سے ہم محبت کرتے ہیں جن لوگوں کو ہم اچھا نہیں سمجھتے ان سے ہم بڑی خوش کلامی سے پیش آئیں وہ ہمارے قریب نہیں پھٹکیں گے۔ نفرت کریں گے ہم سے اس لیے کہ دل اپنی کیفیات حاصل کرنے میں یا اپنی کیفیات لٹانے میں زبان اور کان کا محتاج نہیں ہے وہ براہ راست بھی معاملہ کر لیتا ہے اگر ہم ہر ضروری اور غیر ضروری بات میں پڑتے ہیں تو اس کا ایک اثر ہوتا ہے دینی تبلیغ سب سے بڑا کام ہے اس کے کرنے سے دل کو تقویت ملتی ہے اور اس کی حیات میں اضافہ ہوتا ہے اس کے درجات میں اضافہ ہوتا ہے لیکن ایک بار عام لوگوں میں وعظ

کہنے سے مشاہدات اور مکاشفات رک جاتے ہیں ترقی درجات ہوتی رہے ثواب ملتا رہے لیکن مشاہدات و مکاشفات رک جاتے ہیں جو دھواں عام آدمی کے دل سے اٹھ رہا ہوتا ہے اگر بات کرنے والے کا دل روشن بھی ہے تو اسے مکدر کر دیتا ہے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تقسیم ملک کے بعد عظمت صحابہ کے موضوع پر بہت بڑا جہاد کیا اس وقت اس موضوع پر بولنے والا کوئی تھا نہیں اور صحابہؓ کی شان کے خلاف بولنے والوں کا ایک طوفان تھا اس مقابلے میں حضرت نے بہت حصہ لیا لیکن پھر ایک وقت آیا کہ کچھ تھوڑا سا پیچھے ہٹ گئے اس لئے کہ یہ جلسوں میں جانا تقریریں کرنا نظر کرنا جو ہے یہ مشاہدات کو روک دینے کا سبب بن جاتا ہے سب سے عجیب بات جو آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کئی سال تنہائی میں اللہ اللہ کرتے گزار دی حتیٰ کہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام ایک ایسی عمارت ہے جس میں پتھر نہیں میرے صحابہ کی ہڈیاں چنی گئیں۔ اس پر گارا نہیں ان کا خون اور گوشت لگا ہے آج ان پر طنز کیا جائے ان کی شان میں گستاخی کی جائے ان پر بہتان تراشی کی جائے اور جاننے والا آدمی اس لیے گوشے میں بیٹھ جائے کہ اس کے مکاشفات متاثر نہ ہوں کل اس نے میدان حشر میں بھی آنا ہے یہ ایک جملہ تھا جس پر آپ نے پھر باقی ساری زندگی اسی موضوع پر جہاد کرتے گزار دی میرے عرض کرنے کا معنی اور مطلب یہ ہے کہ اتنے مقدس کام میں بھی دل اس طرح متاثر ضرور ہوتا ہے کہ اس کے مشاہدات رُک جاتے ہیں مکاشفات رک جاتے ہیں حضرت رحمت اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح گلی صاف کرنے والا گلی میں جھاڑو دیتے والا گلی صاف تو کر دیتا ہے لیکن اس کے اپنے کپڑے تو گرد آلود ہو جاتے ہیں جب ہم حضرتؒ کی خدمت میں لطائف کیا کرتے تھے تو حضرت ہمیں فرماتے تھے نماز تو باجماعت پڑھا کرو لیکن سنتیں پڑھ کر گھر جاؤ لوگوں کے ساتھ مل کر فرض پڑھ کر الگ ہو جاؤ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے میں بھی دل متاثر ہو جاتا ہے سارے نمازیوں کے دل تو روشن نہیں ہوتے لوگ تو نماز رواج کے طور پر پڑھتے ہیں دل کی حالت تو وہ نہیں ہوتی۔

غرض حاصل یہ ہے کہ دل براہ راست خود مکلف ہے اور لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ کسی نفس کو اس بات کا مکلف نہیں کیا جاتا جس کی اُسے توفیق نہ دی گئی ہو۔ اسی قانون کو آپ دل پر لاگو کریں اگر آنکھ اس لئے مکلف ہے کہ اس سے دیکھنے کی قوت دی گئی ہے تو دیکھنے کا حساب ہوگا کان اس لئے مکلف ہے کہ اُسے سننے کی طاقت دی گئی ہے اس سے سننے کا حساب ہوگا دل کی گہرائی سے جہاں خواہش پیدا ہوتی ہیں جہاں خوشیاں یا غصہ یا دُکھ جنم لیتے ہیں یا پسند یا ناپسند کرتا ہے اس کا اگر محاسبہ ہوگا تو اس کا مطلب ہے کہ اُسے بھی کیفیات اخذ کرنے کی توفیق اور طاقت دی گئی ہے اور یہی حال جو ہے کہ اس دل کی کیفیات کو اللہ سے یا اللہ کے نبی سے جن لوگوں نے یہ دولت حاصل کی ہے ان کی صحبت میں بیٹھ کر ان کیفیات کو حاصل کیا جائے تو شرعاً اسی کو اخذ فیض کہتے ہیں یہ جو جہلاء نے بنا دیا ہے کہ فلاں پیر کے پاس گئے اولاد ہو گئی فلاں بزرگ کے پاس گئے تو ملازمت مل گئی فلاں بزرگ کے پاس گئے تو صحت ٹھیک ہو گئی تو جو بزرگوں کے پاس نہیں جاتے ان کو اولاد کون دیتا ہے؟ جو بزرگوں کو تو کیا اللہ کے نبی کی نبوت کا اقرار نہیں کرتے ان کی صحت کون اُن کو دیتا ہے؟ انہیں روزی کون دیتا ہے جو خود ذات باری کے وجود کا انکار کرتے ہیں؟ ان کے ہاں کیوں بیٹے پیدا ہوتے ہیں ان کے پاس کیوں سلطنتیں ہیں؟ یہ ایک دنیا کا نظام ہے آپ کسی بھی نیک آدمی سے یا کسی بدکار سے بھی دعا کرالیں دعا کرانا تو جرم نہیں ہے لیکن دیتا وہی ہے۔ ان چیزوں کو فیض مت کہیئے۔

فیض وہ کیفیات ہیں کہ دل میں وہ قوت بھر دیں کہ وہ اچھائی کو پسند کرنے لگے اور برائی سے متنفر ہو جائے اور اس میں اتنی طاقت آجائے کہ ہماری سماعت و بصارت کے تابع ہونے کی بجائے اسے کنٹرول کرنے لگے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو کمال کتاب اللہ نے ارشاد فرمایا وہ یہی ہے

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۔ میرے نبی کا کمال یہ ہے کہ جن لوگوں کو معیت رسالت نصیب ہوئی انہیں اپنے جذبات پر قابو حاصل ہو گیا انہیں پتہ ہے غصہ کہاں کرنا ہے اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ۔ کافر کے لئے کفر کے لئے بڑے غصیلے بڑے غضبناک اور سخت مزاج لوگ ہیں رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ لیکن مومنوں کیلئے مسلمانوں کیلئے اسلام کیلئے بہت کریم بہت شفیق اور بہت محبت کرنے والے لوگ ہیں وہ اپنے وقتی جذبات کے تابع نہیں ہیں بھڑک اُٹھے تو کسی کے خلاف ہو گئے یا نرم ہو گئے تو کسی پر مہربان ہو گئے۔ نہیں بلکہ موقع و محل کے مطابق اپنے غصے اور اپنی شفقت کا اظہار کرتے ہیں جذبات کے تابع نہیں ہیں بلکہ انہیں جذبات پر قابو حاصل ہو گیا۔ یہ کمال ہے صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اور حیات قلبی کا یہی کمال ہوتا ہے۔ جو آدمی جذبات کے تابع ہونے کی بجائے جذبات پر قابو پالیتا ہے اور پھر اپنی ضروریات جو جذبات کو حرکت میں لاتی ہیں بھوک لگتی ہے تو کھانے کا جذبہ حرکت میں آتا ہے کھانے کی ضرورت پیدا ہوتی ہے تو کھانے کے لیے کچھ حاصل کرنے کی حرکات وجود کو آگاہ کرتی ہیں اسی طرح غصہ آتا ہے تو لڑنے کے لیے ہاتھ لاٹھی اٹھالیتا ہے تو یہ جذبات کے تابع جسم نہیں رہتا۔ بلکہ خود جذبات دل کے تابع ہو جاتے ہیں اور جب جذبات دل کے تابع ہوتے ہیں تو اعضاء آگے جذبات کے تابع ہوتے ہیں گویا ساری زندگی اطاعت الٰہی کا نمونہ بن جاتی ہے بتقضائے بشریت جہاں کہیں بھول چوک یا غلطی ہوتی ہے یا پاؤں پھسلتا ہے تو فوراً آدمی واپس آتا ہے اس کے دل میں حیات کی یہ دلیل ہے کہ وہ گناہ پر اصرار نہیں کرتا۔ لم یصروا علی ما فعلوا قرآن حکیم میں ہے کہ گناہ کا صدور ناممکن نہیں ہے غلطی ہو سکتی ہے لیکن غلطی کو پیشہ نہ بنائیں اس سے واپس آجائیں۔

تو میرے خیال میں جتنی اہمیت اس دل کی اللہ نے ارشاد فرمائی ہے اس سے زیادہ آج یہ غفلت کا شکار ہے ہر ناصح ہر واعظ آنکھ کی حفاظت کا تو کہتا ہے کان کے تحفظ کی بات تو کرتا ہے دل کی کوئی بات ہی نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ ہماری آج کی تبلیغ بے اثر ہے جتنی تبلیغ، جتنی محنت اور جتنا بیان آج ہوتا ہے پہلے نہیں ہوتا تھا پہلے یہ ذرائع نہیں تھے اب تو ریڈیو بھی کرتا ہے ٹیلی وژن بھی کرتا ہے اخبار بھی کرتے ہیں دینی رسالے بھی کرتے ہیں زبانی وعظ بھی ہوتا ہے اور زبانی وعظ کے ویڈیو کیسٹ بنتے ہیں آپ کی ایک تقریر پتہ نہیں کہاں تک جاتی ہے پہلے تو یہ ذرائع نہیں تھے اتنی تبلیغ نہیں تھی لیکن یہ ساری تبلیغ کوئی اثر نہیں کرتی جو دن طلوع ہوتا ہے اس میں ہمارا حال پہلے کی نسبت بُرا ہوتا ہے آپ اس ملک کے چالیس بیالیس سالوں کو دیکھ لیں کہ جب یہ ملک آپ کو اللہ نے دیا تھا اس وقت کیا حال تھا اور آج ہم کہاں کھڑے ہیں۔ اخلاقی اعتبار سے ایمانیات کے اعتبار سے، کردار کے اعتبار سے کتنا فاصلہ ہے۔ کتنے گر گئے ہیں ہم لوگ شاید اسی لیے کہ اصل مرکز اس سارے فعل کا دل تھا جس کو ہم نے بھلا دیا اور محض ظاہری کان آنکھ کی اصلاح کو لگے رہتے ہیں اللہ کریم ہمیں سمجھ بھی دے توفیق بھی دے اور وہ ذرائع بھی عطا فرمائے جو دل کی اصلاح کا سبب بنتے ہیں۔

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(دار العرفان ۹ اپریل ۱۹۹۱ء)

رزق حلال — زندگی پر اثرات

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۠ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۙ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ۝

اٹھارہویں پارے میں سورۃ المومنوں کی یہ چند آیات ہیں جو میں نے تلاوت کی ہیں تھوڑا سا وقت ہوتا ہے اور اس میں سادہ سادہ ان کا ترجمہ عرض کر دوں گا۔

دُنیا میں انسانوں نے اچھے یا بُرے وقت آرام یا تکلیف خوشی یا رنج کی ایک پہچان رکھی ہوئی ہے اور وہ سارے کی ساری دنیوی آرام و اسائش یا مال و دولت کے اعتبار سے اگر کسی کے پاس کچھ روپے آجائیں اگر کسی اقتدار میں حصہ مل جائے اگر کسی کی اولاد ہو جائیداد تو وہ اس بات پہ خوش ہوتا ہے یا دوسرے کہتے ہیں کہ اس پر اللہ کریم کا بڑا احسان ہے یہ بہت خوشحال ہے لیکن اگر کسی پر تنگی آجائے مصیبت آجائے غریبی آجائے بیماری ہو تو اُن دنوں کو بُرے دن شمار کیا جاتا ہے اُن مذاہب میں جن کا سارا حاصل ہی دنیا ہے یہ سمجھا جا سکتا ہے لیکن اسلام کا نقطۂ نظر کلی طور پر الگ ہے اسلام اس دنیا اور دنیا کی زندگی کو ہی ابدی اور دائمی زندگی بنیاد قرار دیتا ہے دنیا کی امارت و غربت دنیا میں اقتدار و اختیار سے محرومی دنیا کی صحت و بیماری اس سارے کو اسلام معیار قرار نہیں دیتا بلکہ اسلام کا معیار یہ ہے کہ کسی شخص کو اللہ کریم کے ساتھ کتنا تعلق ہے اگر کسی کو اللہ کریم سے تعلق نصیب ہے اللہ کریم کی یاد نصیب

ہے اللہ کی اطاعت نصیب ہے تو وہ ہر حال میں اچھا ہے خواہ وہ فقیر ہے یا امیر خواہ وہ صحت مند ہے یا بیمار خواہ وہ حکمران ہے یا چوکیدار جس حال میں بھی ہے اُس کے دن بہت اچھے ہیں۔

لیکن اگر کسی دنیا کی ساری نعمتیں بھی حاصل ہیں اس کے پاس حکومت و سلطنت بھی ہے مال و دولت بھی ہے صحت بھی ہے اولاد بھی ہے ان ساری نعمتوں کے ساتھ اسے اللہ کی اطاعت نصیب نہیں اللہ سے تعلق نہیں ہے اللہ کریم کی یاد نصیب نہیں ہے تو اسلام کے نظریہ کے مطابق اس شخص کے بہت بُرے دن ہیں وہ بہت مصیبت میں ہے وہ بہت پریشانی میں ہے یہ ہے وہ فرق جو عام انسانی سوچ میں اور نُورِ ایمان نصیب ہو جانے کے بعد انسانی سوچ میں پیدا ہوتا ہے۔

دنیا میں رہتے ہوئے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ شاید نیکی کرنا یا مذہب پر عمل کرنا یا اللہ کریم کا ذکر کرنا یا اللہ اللہ کرنا جو ہے یہ ایک الگ شعبہ ہے اور وہ لوگ اس میں کیا کر سکیں گے جو دُنیا کے کام کرتے ہیں مذہب پر عمل کرنے کے لیے دنیا سے الگ ہونا پڑتا ہے یہ بات درست نہیں۔ دنیا میں رہتے ہُوئے دنیا کے کام ہی انسان کے مذہبی ہونے یا اُس کے مذہب سے دُور ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اور بڑی عجیب بات ہے رب جلیل نے ایک عجیب قانون ارشاد فرمایا اور وہ قانون انبیاء اور رُسُل کے حوالے سے ارشاد فرمایا یعنی نبی اور رسول تک کو بھی اس میں سے کوئی استثنیٰ نہیں اس سے الگ نہیں ہو سکتا اور وہ ہے یٰٓاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ۔ طیب کے معنی ہوتا ہے پاکیزہ۔ سب سے بڑی نجاست تو حرام ہے پھر حلال کما کر بھی احتیاط نہ کی جائے اُس میں کوئی نجاست مل جائے تو وہ طیب نہیں رہتا غیر طیب ہو جاتا ہے نجس ہو جاتا ہے تو رب جلیل نے غذا کو بنیاد قرار دیا کہ اے میرے رسولو! اے پیارو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ یعنی اپنی غذا کو اپنے کھانے کو پاکیزہ رکھو۔ پاکیزہ سے مراد یہ ہوگی کہ سب سے پہلے تو کمایا شرعی طریقے سے جائے دولت کمانے کا طریق وہ ہو جس کی شرعاً اجازت ہے تاکہ وہ حلال ہو۔ حلال کمانے کے بعد اب اُسے استعمال کرنے میں وہ احتیاط برتی جائے کہ اس پاکیزہ کے ساتھ کوئی ناپاک چیز داخل نہ ہو جائے ناپاک ہاتھ اس میں نہ ڈالے جائیں ناپاک پانی نہ ڈالا جائے ناپاک برتن میں نہ ڈالی جائے اب ایک یہ بات کہ حلال کما کر لایا جائے پُوری انسانی زندگی کی تصویر کشی کر دیتی ہے اور یہ وہ قانون ہے جس سے نبیوں اور رسُولوں کو بھی استثنیٰ نہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ حلال کما کر پاکیزہ کھائے گا یعنی کمائے بھی شرعی طریقے کے مطابق اسے کھائے بھی شرعی طریقے کے مطابق۔

وَاعْمَلُوْا صَالِحًا تو ایسے شخص کو نیکی کی توفیق نصیب ہوگی۔ اب ظاہر ہے کہ دولت کمانے کے لیے زندگی کا پُورا پُورا پراسس ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ کوئی کاشت کاری کرتا ہے کوئی مزدوری کرتا ہے کوئی تجارت کرتا ہے یا ملازمت کرتا ہے تو یہ سارے ذرائع ہیں حصولِ معاش کے رزق حاصل کرنے کے اب ان میں رزق کو حلال کرنے کے لیے پُوری دیانت داری سے کام کرنا پڑے گا۔ اور پُوری دیانت داری سے کام کر کے جب آدمی رزق کمائے گا تو پھر بھی وہ آزاد نہیں ہے پھر اس میں وہ احتیاط ہوگی کہ رب کریم نے کس چیز کو پاک اور کس کو نجس قرار دیا ہے ناپاک اور نجس سے احتیاط کرے گا اس کو پکانے کھانے تک۔ تو یہ جو ٹائم ٹیبل دیا ہے قرآن حکیم نے کہ حلال کمایا جائے اور پاکیزہ کھایا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ پُوری دنیوی زندگی کی ہر آدمی کی ساری مصروفیات اس میں آگئیں خواہ وہ ملازم ہے یا تجارت کرتا ہے یا مزدور ہے یا کاشت کاری کرتا ہے تو چاروں مصروف ذرائع ہیں چاروں میں سے کوئی نہ کوئی ذریعہ کسی کے پاس ہوتا ہے۔

توسب سے بنیادی بات مسلمان کے لئے یہ ہوگی کہ بحیثیت انسان وہ ایک دیانت دار اور محنتی انسان ہوگا۔ تب ہی وہ روزی حلال کمائے گا۔ اور اب دیانتداری سے اس نے جو رزق حاصل کیا اسے اپنے وجود کا عصر بنانے یا اپنی غذا بنانے کے لئے لیے وہ احتیاط کرتی ہوگی کہ اس میں وہ کوئی ناپاک عنصر نہ مل جائے غیر طیب نہ ہو جائے۔ تو اس کا مطلب ہے کہ ایک مسلمان کے لئے دنیوی زندگی سے یا عملی زندگی سے فرار ممکن ہی نہیں۔ اسلام نام ہی عملی زندگی کو اللہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق بسر کرنے کا ہے جب یہ سارا پراسس اس کے مطابق ہوگا تو فرمایا واعملوا صالحا نیک کام کرو یعنی نیکی کی توفیق تب ارزاں ہوگی یا نیکی تب قابل ہوگی یا نیکی تب کر سکو گے۔ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیٰ آلہٖ وسلم کا ایک ارشاد عالی موجود ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص بہت دور سے سفر کر کے بیت اللہ پہنچتا ہے گرد سے اس کے کپڑے اور بال اٹے ہوئے ہیں لباس پھٹ چکا ہے تھکن کے آثار سارے وجود پہ ظاہر ہیں اور بڑے درد سے پکارتا ہے "اے میرے رب اے میرے خدا اے اللہ" طواف کرتا ہے بیت اللہ کا بڑے درد سے پکارتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لیکن اس کی پکار کوئی اپنا اثر نہیں رکھتی بارگاہِ الٰہی تک نہیں پہنچتی اس لیے کہ اس کے وجود سائل ہیں اس نے جو لباس پہنا ہوا ہے وہ جو کھاتا پیتا ہے اس نے جو کرایہ خرچ کیا ہے وہ حلال نہیں تھا بلکہ اس نے حرام کیا۔ ناجائز ذرائع سے یا حرام رزق سے اگر کوئی جتنی عبادات اسلام میں ہیں ان میں حج یا طواف ایک ایسی عبادت ہے جو صاحب حیثیت پر زندگی میں ایک بار فرض ہے اور جس کے بارے میں ارشاد ہے کہ حج کر کے آدمی اس طرح پاک ہو جاتا ہے جس طرح وہ دنیا میں پیدا ہوا تھا لیکن یہ شرط وہاں بھی آگئی کہ حج بھی تب حج ہوگا جب حصول رزق کے ذرائع جائز ہوں اور رزق حلال ہو چوری کے پیسوں سے یا رشوت کے پیسوں سے یا سرکاری فنڈز پہ سیر تو ہو سکتی ہے۔

یہ ہمارے ملک میں عجیب اس کا رواج آگیا ویسے ہی بات آگئی ضمنی طور پہ عجیب رواج آگیا کہ ہر حکمران کو یہ شوق ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کو وہ حج پہ بھیج دے حالانکہ ملک کا خزانہ ملک کے سارے لوگوں کا مشترکہ ہوتا ہے اور اس پر ان لوگوں کا زیادہ حق ہے جو زیادہ بیمار ہیں غریب ہیں مفلس ہیں رہنے کو نہیں ملتا کھانے کو نہیں ملتا بچوں کی تعلیم سے مجبور ہیں اس کا اہتمام نہیں کیا جاتا اپنے چند حواریوں کو حج پر بھیج دیا جاتا ہے اور پیسہ سارے ملک کا ان مستحقین کا ہوتا ہے اسے نیکی قرار دیا جاتا ہے تو اس طرح کی نیکیاں جو ہیں جن میں بغیر کسی استحقاق کے دوسرے کے مال پر کوئی خرچ کرے یا سفر کرے یا دوسرے سے پیسے ناجائز طریقے سے لے لے تو لے یہ سمجھنا کہ یہ آسودہ حال ہے اللہ کریم فرماتے ہیں نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ فرمایا واعملوا صالحا کام کھرے کرو اس لیے کہ

انی بما تعملون علیم۔ اس لیے کہ جو عمل بھی تم کرتے ہو اللہ کریم براہ راست ذاتی طور پر اسے جانتا ہے اور اس کا مشاہدہ فرماتا ہے لیکن لوگوں نے کیا کیا کتنی کھری بات تھی کہ لوگ اگر حصول رزق کے لیے لوگ اگر اپنے آرام کے لیے لوگ اگر اپنے اقتدار کے لیے اپنے مالک کو فراموش نہ کر دیتے تو یہ بڑی سادہ سی سیدھی سی بات تھی کہ ہر شخص اپنے کام سے کام رکھتا اپنی حلال روزی حاصل کرتا اپنے بچوں کی صحیح تربیت کرتا اپنے ماحول میں جو اس کے حقوق ہیں والدین کے بھائیوں کے دوستوں کے اقارب کے ادا کرتا اپنی دشمنی کو حدودِ شرعی کے اندر رکھتا تو سب لوگ نہایت مزے سے نہایت آرام سے نہایت سکون سے دنیا میں رہتے اور اسی پر ان کی آخرت بھی تعمیر ہوتی اور سادہ سی بات رہتی فرمایا۔

وَاِنَّ ھٰذِہٖٓ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً یہ تمہاری ایک ہی جماعت ہے اس کے لیے کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے

آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لیکر آقائے نامدار ﷺ تک جتنے نبی جتنے رسول آئے سب کی تعلیمات کا سب کی انتہائی کا سب کی دعوت کا یہی ایک ہی قاعدہ ہے اس میں عبادات کے اوقات میں یا رکعت کی تعداد میں تو فرق ہو سکتا ہے لیکن عقیدہ توحید میں آخرت میں ان چیزوں میں کوئی فرق نہیں ہے حلت و حرمت کے بعض احکام میں فرق ہو سکتا ہے ایک امت پر ایک چیز حلال ہو دوسری پر حرام ہو لیکن اس حکم میں کوئی فرق نہیں ہے کہ سب کو حلال ہی کھانے کا حکم دیا گیا سب کو پاکیزہ ہی کھانے کا حکم دیا گیا اور سب کے لئے ایک ہی پروردگار ہے اَنَا رَبُّکُمْ میں تمہارا پروردگار ہوں فَاتَّقُوْنِ اور مجھی سے ڈرتے رہو میرے ساتھ معاملہ کھرا رکھو لیکن ہوا کیا

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۔ لوگوں نے اپنی خواہشات کے تابع آکر بات بگاڑ کر رکھ دی اور ہر شخص حدود شرعی کو چھوڑ کر حلت و حرمت کو چھوڑ کر پاک و ناپاک سے بالاتر ہو کر صرف دولت حاصل کرنے یا صرف مال حاصل کرنے یا صرف اقتدار لینے کے چکر میں پڑ گیا اسے جائز و ناجائز اچھے اور بُرے کا کوئی فرق نہ رہا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک جماعت جو انسانوں کی تھی اس کی کئی جماعتیں بن گئیں۔ کئی مذاہب بن گئے کئی ایک مذہب میں کئی فرقے بن گئے۔ اور اسی میں ہوا یہ

كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ ہر شخص اس پہ خوش ہو گیا جو اس نے خود ایجاد کر لیا کہ اس میں بڑی موج ہے اس لئے کہ اس نے یہ سمجھا اگر اسے اولاد مل گئی ہے یا اسے پیسے مل گئے یا اس کے لیے کوئی اقتدار کا دروازہ کھل گیا فرمایا

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ تو لوگوں نے یہ سمجھا کہ ہم نے یہ اپنے طور پر جو کچھ ہاتھ پاؤں مار لیے ہیں یا اپنے طریقے پر زندگی کا جو رویہ بنا لیا ہے یہ بڑا کامیاب تجربہ ہے ہمارا اور یہ میری عقل کی کمال ہے کہ میں نے اپنے لیے ایسا راستہ منتخب کیا جس میں میرے لئے بہت آرام ہے میرے پاس پیسہ بھی آگیا اولاد بھی ہے جائیداد بھی ہے اقتدار بھی ہے اور میں بڑے مزے میں ہوں اللہ کریم فرماتے ہیں اس میں اس شخص کی ہرگز کوئی بھلائی نہیں ہے جس نے اللہ کے بتائے ہوئے راستے کو چھوڑ کر اپنی رائے سے محض مال و دولت جمع کر لیا یا محض اس نے اقتدار حاصل کر لیا تو فرمایا بھلائی ان لوگوں کے لیے ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ

جنہیں اللہ جل شانہٗ سے اتنا قریبی تعلق ہے کہ وہ اس کی ناراضگی سے ڈرتے رہتے ہیں تو جس شخص نے اللہ کی ناراضگی کی پرواہ ہی نہیں کی تو وہ دنیوی امور میں بے مہار ہو گیا وہ اپنی مرضی سے لوٹتا کھسوٹتا دولت جمع کی یا اقتدار جھوٹ بول کر لے لیا تو فرمایا یہ کوئی بھلائی کی دلیل نہیں ہے ایسے لوگوں کا یہ گمان باطل ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم پر اللہ کا احسان ہے اس ملک میں یہ بھی رواج ہے کہ جو کچھ بھی کوئی کرتا ہے اس نے ایک محاورہ یاد کر رکھا ہوتا ہے کہ گانے بجانے والوں کو بھی اگر آپ سنیں تو وہ بھی کہتے ہیں کہ مجھ پہ اللہ کا بڑا احسان ہے میرے گانے بجانے کی بڑی شہرت ہے یعنی ہر کام میں اور میرے خیال میں رشوت لے لے کر جن لوگوں نے بہت دولت جمع کر لی ہے وہ اسے اللہ کا احسان گردانتے ہیں اس کا مطلب ہے ہڑاکو ہر چور اور عجیب ملک عجیب قوم ہے یہ کہ چور اور ڈاکو نیاز کی دیگیں پکاتے ہیں کہ اور لوٹ کا سامان ہو وہ سمجھتے ہیں کہ اس سے اللہ کریم خوش ہوتے ہیں اور لوگوں کو لوٹنے کا موقع دیتے ہیں۔ یہ واقعی سب کچھ یہاں ہوتا ہے یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے یہ سب کچھ یہاں ہوتا ہے۔ رب کریم فرماتے ہیں آرام یا راحت یا خوشی اُن لوگوں کے لیے جنہیں اللہ کے احکام سے تعلق ہے

اللہ کی آیات پہ ایمان ہے اور ایسے لوگ جو اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں کرتے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۝

یہ بڑی عجیب بات ہے معبود کے ساتھ شرک نہ کرنے کا حکم الگ ہے اور رب کے ساتھ شرک نہ کرنے کا حکم الگ ہے اللہ جل شانہٗ معبودِ برحق ہے اور اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس کے باوجود وہ رب بھی ہے ربوبیت کا معنیٰ ہوتا ہے کہ ہماری ہر ضرورت ہر آن پوری کرنا یہ اُسی کی شان ہے جب ہم اپنی خواہشات یا اپنی ضرورتوں کے لیے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ اس کی ربوبیت میں ہم شرک کر رہے ہیں اور دوسرا کوئی کام جو خلاف شریعت ہے کوئی فرد جس کے لیے اللہ کی نافرمانی کر رہے ہیں کوئی ادارہ یا کوئی افسر کوئی بھی چیز جس کے لیے ہم اللہ کی نافرمانی کر رہے ہیں تو اسے ہم نے اپنی ضرورتوں کے پورا کرنے کا سبب اور اپنا رب سمجھ لیا فرمایا لیکن جو اللہ کریم کے بندے ہوتے ہیں وہ اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے ان کی ضرورتیں پوری کرنے والا وہی ایک ہوتا ہے اور وہ اسی کی اطاعت کرتے ہیں یعنی حصولِ رزق کے لیے جب ہم اللہ کریم کی اطاعت چھوڑ دیتے ہیں چوری سے جھوٹ سے دھوکے سے پیسہ لیتے ہیں رشوت سے لیتے ہیں دوسرے کا حق مار کر لیتے تو اس کا معنیٰ ہے کہ ہم نے اللہ کی ربوبیت سے انکار کر دیا اور کسی دوسرے کو اپنا رب سمجھ لیا فرمایا اللہ کے بندے چھیننے والے نہیں ہوتے بلکہ وہ ہوتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا۔ انہیں جو اللہ کی طرف سے ودیعت ہوتا ہے اگر کسی کے پاس علم ہے کسی کے پاس طاقت ہے کسی کے پاس دولت ہے کسی کے پاس عقل و خرد ہے جو نعمت اسے اللہ کی طرف سے ملتی ہے وہ دوسروں کو دیتے ہیں ان سے چھینتے نہیں دوسروں کا حق چھینتے نہیں بلکہ جو نعمتیں اللہ کریم کی طرف سے ملتی ہیں وہ دوسروں کو دیتے ہیں اور اُن کے دل ہر وقت اللہ کے تعلق کی زکات کے باعث لرزاں و ترساں رہتے ہیں کہ ہمارا مالک ہم سے راضی رہے کسی سے ملتے ہیں تو کسی سے بچھڑتے ہیں تو کچھ کمانے کے لیے جاتے ہیں تو کچھ خرچ کرنے کا موقع آتا ہے تو ہر کام میں رضائے الٰہی کو پیش رکھتے ہیں انہیں یہ خیال رہتا ہے کہ ہمیں واپس اپنے رب کے حضور جانا ہے۔

اُولٰٓئِكَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝

ایسے لوگ ہی نیکی کی طرف دوڑتے ہیں اور وہی نیکی کو پانے والے ہیں یعنی آسودہ حال وہ ہیں خوش حال وہ ہیں اچھے دن اُن لوگوں کے ہیں جن میں یہ اوصاف ہیں اگر ان میں بیماری ہے تو بھی صحت ہے تو بھی اگر وہ فقیر ہیں تو بھی اگر وہ حکمران ہیں تو بھی وہ لوگ بھلے ہیں جن کے دل میں اللہ کی یاد ہے اور جن کے ایمان اللہ کے ساتھ مضبوط ہیں اور جن کا کردار اللہ کے حکم کے تابع ہے۔ اور جسے اطاعت الٰہی نصیب نہیں ہے اسے خواہ دولتِ دنیا مل بھی جائے اسے خواہ اقتدار و اختیار مل بھی جائے وقتی طور پر وہ بڑا طاقت ور بھی ہو تو اللہ فرماتے ہیں اُس کی حالت پر افسوس ہی کرنا چاہیئے کہ انجام کار وہ تباہی کی طرف بڑھ رہا ہے۔

تو یہ اسلامی نظریہ حیات اپنی ایک الگ شان رکھتا ہے اور اللہ کا احسان ہے کہ ہمیں بحیثیت مسلمان اپنی عملی زندگی میں اپنے اس نظریئے کے حق ہونے کا ثبوت فراہم کرنا چاہیئے اس کی اللہ کریم ہمیں توفیق دے۔

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

امام غزالیؒ اور صوفیا

از: اللہ دتہ نعیمی

مجھے قطعیت کے ساتھ معلوم ہوا کہ صوفیا ہی کا گروہ ہے جو خصوصیت سے اللہ کی راہ پر گامزن ہے۔ انہیں کی سیرت سب سے بہتر ہے۔ انہیں کا طریقہ سب سے صاف ہے۔ انہی کے اخلاق زیادہ پاکیزہ اور بلند ہیں بلکہ اگر تمام عقلاء و حکماء کی عقل و حکمت کو جمع کر لیا جائے اور واقفانِ شریعت کے اسرار و علوم کو ملا لیا جائے تاکہ ان سے بہتر سیرت کی تشکیل ہو سکے تب بھی ان کے اخلاق و سیرت کے ڈھانچے کو بدلنا ضروری نہ ہو کیونکہ صوفیائے کرام کی تمام حرکات و سکنات چاہے ظاہری ہوں چاہے باطنی مشکوٰۃ نبوت ہی سے تو منور ہیں اور نورِ نبوت سے بڑھ کر اور کوئی روئے زمین پر اس لائق نہیں کہ اس سے روشنی حاصل کی جائے۔

سرگزشتِ غزالیؒ سے ایک اقتباس

"میں نے ہر ہر گروہ کے عقائد کی چھان بین کی اور ہر ہر مذہب کے اسرار معلوم کرنے کی تگ و دو کی تاکہ اہلِ حق اور اہلِ باطل میں خطِ امتیاز کھینچ سکوں اور یہ جان سکوں کہ سنی کون ہے اور بدعتی کا اطلاق کس پر ہوتا ہے۔ میں نے کسی باطنی[1] کو اس کو اس کی باطنیت کا جائزہ لیے بغیر چھوڑا اور کسی ظاہری کو یہ جانے بغیر معاف کیا کہ اس کی ظاہریت کا حاصل کیا ہے۔ اسی طرح میرے ہاتھ سے نہ کوئی فلسفی چھوٹا اور نہ متکلم۔ فلسفی کا فلسفہ جاننے کی کوشش کی اور متکلّم کے بارے میں یہ معلوم کرنا چاہا کہ اس کا مقصد کیا ہے اور اس کی قیل و قال اور بحث و جدال کن اُمور تک وسیع ہے صُوفی و عابد کو بھی پرکھا تاکہ اندازہ ہو سکے کہ اس کی پاکبازی کن چیزوں پر منحصر ہے اور اس کی عبادت کے کیا ثمرات ہیں۔ اسی طرح میرے حلقۂ تنقید میں زندیق و معطل تک آئے۔ میں یہ جاننا چاہتا

---

[1] : فرقہ باطنیہ جسے تعلیمیہ بھی کہا جاتا ہے آجکل کے اسماعیلیہ فرقہ سے اُن کے عقائد ملتے ہیں اور امام معصوم کی ذات میں اسرار و تعلیمات پر ان کے عقائد کی بنیاد ہے۔

تھا کہ ان لوگوں کو بے دینی اور تعطل پر کس چیز نے جرأت دلائی۔ حقائق کی گہرائی تک پہنچنے کا چسکا اور پیاس ابتدا ہی سے تھی اور یہ میری عادت اور سرشت میں تھا کہ ان باتوں پر غور کروں۔ اس کو میں نے کسب و اکتساب سے نہیں پایا بلکہ جبلت اور فطرت ہی اس انداز کی تھی کہ جو بات کہوں سوچ سمجھ کر کہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جوانی کے آغاز میں ہی تقلید کی بندشیں ڈھیلی پڑ گئیں اور عقائد موروثہ کا سحر ٹوٹتا ہوا نظر آیا۔ جس سے میرے باطن میں اس فطرت اصلیہ کو معلوم کرنے کی تحریک ہوئی جس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ "ہر مولود فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اس کو یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں" اور میں نے جاننا چاہا کہ یہ فطرت اصلیہ کیا ہے اور وہ عقائد کیا ہیں جو بعد میں والدین اور اساتذہ کی تقلید کی وجہ سے عارض ہوتے ہیں۔ تب میرے دل نے کہا کہ میرا مقصود حقائق اشیاء کو جاننا ہے اور یہ معلوم کرنا ہے کہ عقائد و خیالات کے اس گورکھ دھندے میں حقیقت کی مقدار کس درجہ ہے۔

اس پر غور کیا تو بات سمجھ آئی کہ حقیقی علم وہی ہو سکتا ہے جس میں شے معلوم سمجھ کر اس طرح سے پوری وضاحت کے ساتھ سامنے آموجود ہو کہ اس میں کوئی شبہ نہ رہے بلکہ خطا و لغزش کا بھی کوئی امکان نہ رہے۔"

مندرجہ بالا اقتباس حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب المنقذ من الضلال کے اردو ترجمہ سرگزشت غزالی سے دیا گیا ہے۔ جس سے تحصیل علم کے بارے میں ان کی محنت و کوشش اور حقیقی و سچی طلب میں ان کی تحقیق و جستجو کی ایک جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔

امام غزالیؒ

حضرت امام محمد بن احمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۴۵۰ھ میں خراسان کے علاقہ طاہران میں میں پیدا ہوئے۔ نیشاپور کے مشہور مدرسہ نظامیہ سے فارغ التحصیل ہوئے اور پھر بغداد گئے جہاں پر جلد ہی اپنی دینی اور علمی استعداد اور صلاحیتوں کی بدولت بغداد کے سب سے بڑے مدرسہ نظامیہ کی مسند درس پر فائز ہوئے۔ آپ نے اس وقت کے مروجہ تمام علوم اور مکاتب فکر کا نہ صرف یہ کہ گہری نظر سے مطالعہ کیا بلکہ ہر ایک میں کمال حاصل کیا۔ بالآخر تزکیہ نفس اور معرفت باری تعالیٰ کو حاصل کرنے کے لیے مسند درس کو ترک کیا اور تصوف کی راہ اختیار کی دس سال اس میں بھی گزارے اور علم کی حقیقت تک رسائی حاصل کی۔ چنانچہ اصحاب صوفیاء کے بارے میں ان کا تجزیہ اور حقیقت پر مبنی ان کی رائے اور ان کا ذاتی تجربہ سے متعلق ایک اور اقتباس اسی کتاب سے لکھا جاتا ہے۔

طریق صوفیاء

یہ راہ صرف علم و فن کی راہ نہیں بلکہ علم و عمل دونوں کی راہ ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ نفس کی دشوار گزار گھاٹیوں کو عبور کیا جائے اخلاق ذمیمہ کو ترک کر کے دل کو اس لائق ٹھہرایا جائے کہ اس میں غیر اللہ کے لیے قطعاً کوئی گنجائش نہ رہے اور اللہ کے ذکر اور یاد کے ساتھ اس کی آبادی اور زینت کا اہتمام کیا جائے۔ کتابوں کے مطالعہ اور مشائخ کے اقوال سے اتنا علم حاصل ہو گیا جتنا کہ تحصیل و سماع سے ممکن ہے مگر ان کے لطائف اور خصوصی اسرار کا احاطہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک انسان تعلیم و تعلم کی حدوں سے گزر کر ذوق و حال کی سرمستیوں سے واقف نہ ہو اور اپنے اندر صفات و اخلاق کی تبدیلیاں نہ پیدا کرے۔ زہد و ورع کی کیفیتوں کو جان لینے اور ان کو اپنے اندر پیدا کرنے میں فرق ہے۔ اس فرق کو محسوس کرنے کے بعد اصحاب صوفیاء کی صحبت اختیار کی معلوم ہوا کہ یہ اصحاب اقوال نہیں اصحاب احوال ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں تک سماع و تعلیم کے فحا کا تعلق ہے ان سے میں نے اپنا دامن بھر لیا لیکن ابھی

اس علم کو حاصل کرنا باقی ہے جو محض ذوق اور سلوک سے حاصل ہوتا ہے۔ تحصیلِ علم کے بعد یہ معلوم ہو چکا تھا کہ تین باتوں کا ماننا اور جاننا ضروری ہے۔

۱۔ اللہ پر محکم ایمان

۲۔ نبوت کی قلبی تصدیق

۳۔ روزِ آخرت پر یقین

ایمان کی یہ تین بنیادیں دل میں نقش ہو چکی تھیں لیکن کسی ایک ہی اور معین دلیل کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے متعدد اسباب تھے۔ مختلف قرائن اور تجربے تھے جن کی تفصیل تحریر میں نہیں آسکتی۔

اب یہ راز منکشف ہوا کہ عالمِ آخرت کی بہرہ مندیاں بجز تقویٰ اور نفس کو شہوات سے بچانے سے حاصل نہیں ہو سکتیں لیکن یہ تقویٰ کیا ہے تقویٰ اس سے تعبیر ہے کہ قلب علائق دُنیا سے دست بردار ہو جائے اور انسان دار الغرور سے منہ موڑ کر دار الخلود کی طرف رُخ کرے۔ یہی نہیں بلکہ پوری توجہ اور ہمت سے اللہ کی طرف عنانِ التفات پھیرے مگر یہ مقام آسانی سے میسر ہونے والا نہیں اس کے لیے عزت وجاہ کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ مال و دولت سے کنارہ کش ہونا پڑتا ہے اور ہر طرح کے لگاؤ اور شور و غل سے دل کو ہٹانا ہوتا ہے۔

میں نے اس نقطۂ نظر سے اپنا جائزہ لیا اور احوال پر نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ علائق میں بُری طرح مُبتلا ہوں۔ اعمال پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ ان میں تعلیم و تدریس کا مشغلہ جو سب سے بہتر ہے وہ بھی کچھ لائقِ قدر نہیں کیونکہ جن علوم کا میں درس دے رہا ہوں وہ آخرت و عقبیٰ میں کام آنے والے نہیں۔ پھر جب نیتوں کو ٹٹولا تو یہاں بھی بگاڑ نظر آیا۔ یوں محسوس ہوا کہ اس مشغلہ سے مقصود اللہ کی رضا جوئی نہیں بلکہ اس کا محرک جاہ طلبی کا جذبہ ہے اور شہرت و ناموری کا داعیہ ہے۔ اس صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑا تو آنکھیں کھُلیں اور معلوم ہوا کہ جہنم کے کنارے پر ہوں۔ اگر تلافیٔ احوال کی کوشش نہ کی تو اس میں گر جانا یقینی ہے۔ اس تجزیہ احوال کے بعد فکر دامنگیر ہوئی۔ ایک عرصہ تک کشمکش و پیچ کے عالم میں رہا۔ کبھی یہ سوچتا کہ بغداد سے نکل جاؤں۔ جاہ و ثروت کے ان احوال سے دست کش ہو جاؤں۔ کبھی موانع آگھیرتے۔ ایک قدم آگے کو بڑھاتا تو دوسرا پیچھے کو ہٹتا۔ اگر کبھی صبح کو عقبیٰ کی طلبِ صادق دل میں کروٹ لیتی تو شام کو جنودِ شہوت ہلہ بول دیتے۔ ایک طرف دُنیا کی خواہشات بغداد میں ہی رہ جانے پر مجبور کرتیں اور دوسری طرف داعیہ آخرت کوچ کوچ پکارتا۔ یہ تردد اور بے یقینی کی حالت چھ ماہ تک رہی کہ کچھ غائبانہ اسباب پیدا ہوئے اور سفر کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ بقدر کفالت بچوں کے لیے چھوڑ کر باقی مال اللہ کی راہ میں دے دیا۔ بغداد چھوڑ کر دو سال شام میں رہا۔ ان دو سالوں میں عزلت و خلوت، مجاہدہ و ریاضت شب و روز کا معمول تھا۔ غرض یہ تھی کہ تزکیہ نفس کی نعمت کو حاصل کروں۔ اخلاق سنور جائیں اور قلب اللہ کے ذکر کے لیے یکسوئی حاصل کرے۔ یہ لائحہ عمل وہی تھا جسے میں نے صوفیاء سے سیکھا تھا۔ میرا یہ روزانہ کا معمول تھا کہ دمشق کی ایک مسجد کے منارہ پر چڑھ جاتا اور دروازہ بند کر کے ذکر و شغل میں دن بھر لگا رہتا۔ پھر یہاں سے بیت المقدس چلا گیا اور عبادت میں مشغول رہنے لگا۔ پھر فریضۂ حج کے داعیہ نے کروٹ لی اور دل نے چاہا کہ مکہ و مدینہ کے فیوض و برکات سے بہرہ مندی حاصل کی جائے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے ہاں حاضری دینے کے بعد روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا جائے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ حجاز کا قصد کیا۔ حج سے فراغت کے بعد بال بچوں کی کشش وطن واپس لائی۔ یہاں بھی عزلت گزینی کا شوق قائم رہا اور جس طرح بھی بن پڑا ذکر و فکر اور خلوت و عزلت کے لمحوں سے استفادہ کرنے میں کوتاہی نہ ہونے دی۔ اس کشاکش اور

خلوت و مراقبہ پر دس سال گزر گئے۔ اس عرصہ میں ایسے ایسے امور کا انکشاف ہوا کہ ان کا شمار ناممکن ہے۔ اس مرحلہ پر اس قدر بتا دوں گا جس کا جاننا نفع مند اور مفید ہے۔

مجھے قطعیت کے ساتھ معلوم ہوا کہ صوفیاء ہی کا گروہ ہے جو کہ خصوصیت سے اللہ کی راہ پر گامزن ہے۔ انہی کی سیرت سب سے بہتر ہے۔ انہی کا طریقہ سب سے صاف ہے۔ انہی کے اخلاق زیادہ پاکیزہ اور بلند ہیں بلکہ اگر تمام عقلاء و حکماء کی عقل و حکمت کو جمع کر لیا جائے اور واقفان شریعت کے اسرار و علوم کو ملا لیا جائے تاکہ ان سے بہتر سیرت کی تشکیل ہو سکے تب بھی ان کے اخلاق و سیرت کے ڈھانچے کو بدلنا ضروری نہ ہو، کیونکہ صوفیائے کرام کی تمام حرکات و سکنات چاہے ظاہری ہوں چاہے باطنی مشکوٰۃ نبوت ہی سے نور ہیں اور نور نبوت سے بڑھ کر اور کوئی نور روئے زمین پر اس لائق نہیں کہ اس سے روشنی حاصل کی جائے۔

مقصود یہ ہے کہ ایسے طریق کی بلندی و صحت پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے جس میں پہلی شرط ہی دل کو ماسوا اللہ سے پاک کرنا ہے جس کی تکبیر تحریمہ ہی یہ ہے کہ دل کو اللہ کے ذکر میں مستغرق رکھا جائے جس کا آغاز یہ ہو اور انتہا یہ ہو کہ سالک اللہ کی ذات میں اپنے کو کلیتہً فنا کر ڈالے۔

فنا فی اللہ کا یہ درجہ آخری کسب و اختیار کی رعایت سے ہے ورنہ سلوک کا تو یہ پہلا زینہ ہے اور اس سے پہلے جو کچھ ہے اس کو اس کی دہلیز سمجھئے کیونکہ یہاں تو پہلے مرحلہ پر مکاشفات و مشاہدات کا آغاز ہو جاتا ہے۔ صوفیاء جب اس مرحلے میں داخل ہوتے ہیں تو عالم بیداری میں پہلے فرشتوں اور انبیاء کی روحوں کو براہ راست دیکھتے ہیں، ان کی باتیں سنتے ہیں اور ان سے علوم و معارف کا استفادہ کرتے ہیں یہی نہیں بلکہ ان کے احوال میں ترقی ہوتی ہے اور صور و امثال کے اس مشاہدے سے آگے بڑھ کر ایسے مقام پر فائز ہو جاتے ہیں جہاں کی کیفیات و تاثرات پر الفاظ و حروف کا جامہ ٹھیک نہیں بیٹھتا اور اگر کوئی ہمت کر کے اس حالت کی وضاحت کرنا بھی چاہے تو خطا و لغزش کا سہارا لیے بغیر چارہ نہیں۔ مختصراً یوں خیال کیجئے کہ یہ قرب و اتصال کی ایسی کیفیت ہے کہ ایک گروہ تو اسے "حلول" سے تعبیر کرتا ہے ایک طائفہ "اتحاد" کہتا ہے اور ایک اس کو "وصول" کے نام سے پکارتا ہے۔ یہ سب خیالات غلط ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جو شخص بھی اس حقیقت سے دو چار ہو اس کو اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہیے۔ ؎

فکان ما کان مما لست اذکرہ
فظن خیرا ولا تسئل عن الخبر

جو ہوا سو ہوا اس کی تفصیلات بیان کرنے کی نہیں بس یہ سمجھ لو کہ اچھا ہی ہوا زیادہ کاوش اور ٹٹول سے کیا فائدہ"

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس موضوع پر اس قدر بسیط و طویل لکھا ہے جس کا احاطہ کرنا مشکل ہے اور اسی پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے کہ تصوف کی اہمیت اور اہل اللہ صوفیائے عظام کی عظمت کا کچھ اندازہ ہو سکے کہ ایک ایسا شخص کہ جس نے جن علوم و فنون اور عقائد و افکار کی تعلیم و تعلم میں عمر عزیز کا ایک حصہ خرچ کیا ہے۔ اس کی حقانیت اس کی نظروں میں مشکوک ہے۔ فقہ کی موشگافیوں سے اس کی تسکین نہیں ہوتی۔ تقلید کا دامن ہاتھ سے چھوٹ چکا ہے۔ علم الکلام کی نکتہ آفرینیوں سے اس کی پیاس نہیں بجھتی۔ تعلیمیہ کے عقائد میں اسے کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جس سے قلب و ذہن کی خلش دور ہو سکے فلسفہ کے علوم بھی اس کے سامنے اپنا اعتبار کھو بیٹھتے ہیں جس نے بہت کم عمر میں جاہ و عزت اور شان و شوکت کی بلندی حاصل کر لی تھی ایسے شخص کو ایمان و یقین کی دولت صوفیائے کرام کی محبت سے حاصل ہوئی اور یقین کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ صوفیاء وہ گروہ پاک ہے جو بھی ان کے ساتھ محبت رکھے گا حقیقت ایمان کی نعمت سے محروم نہیں رہے گا کیونکہ ان کا کوئی ہمنشین بھی اس معاملہ میں بدنصیب نہیں ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بیدار کیا تو اُسے شتر بے مہار کی طرح آزاد نہیں چھوڑا۔ بلکہ ایک ضابطہ کے مطابق زندگی بسر کرنے کا انتظام کیا۔ نیکی اور بدی کی قوتوں کی کشمکش کا آغاز تو انسان کے پیدا ہوتے ہی ہو گیا۔ ربِ جلیل نے انسان کو اطاعت و فرمانبرداری اور نافرمانی کا اختیار دے کر اُسے آزمائش میں ڈال دیا۔ کیونکہ شیطان جو ہر وقت انسان کے ساتھ سائے کی طرح لگا ہوا ہے۔ اس کوشش میں مصروف ہے کہ میں اولادِ آدم کو کس طرح بہکاؤں؟ کیسے صراطِ مستقیم سے ہٹاؤں؟ اپنی طرف کیونکر بلاؤں؟ لاکھ حربے آزماتا ہے۔ اب یہ انسان پر منحصر ہے۔ کہ شیطان کی بات مانے یا نہ مانے۔ اگر اُس کی بات مان لیتا ہے تو اپنے علم اور عقل کے بل بوتے پر زندگی کی تمام تر لذتیں سمیٹ کر عیش کی زندگی گذارتا ہے۔ اُسے اِس بات سے کوئی غرض نہیں۔ کہ کونسا عمل رضائے الٰہی کا سبب ہے۔ اور کونسا قدم اُس کی نافرمانی میں اُٹھ رہا ہے۔ انسان کا یہ رویہ دراصل جہنم کی طرف جانے کے لیے سرگرم عمل ہونا ہے۔

اِس طرح ازل سے اوراقِ تاریخ پر دو قافلوں کا سفر جاری ہے۔ ایک قافلہ حق کا اور دوسرا باطل ہے۔ بدی کا تصوّر نہ ہو تو نیکی کی حقیقت بھی نمایاں نہ ہو۔ گناہ نہ ہو۔ تو پاکیزگی کی اہمیت کو کوئی نہ سمجھے۔ اندھیرا روشنی کو اُجاگر کرتا ہے۔ بدصورتی حُسن کے احساس کو بیدار کرتی ہے۔ لاپرواہی کے بعد احساسِ ذمہ داری جنم لیتا ہے۔ اور یہ احساس ہی انسان کو اس حقیقت سے روشناس کراتا ہے۔ کہ اس دُنیا میں کوئی اپنی مرضی کا مالک نہیں۔ ہم لاکھ یہ سمجھیں کہ ہم اپنی مرضی کر سکتے ہیں۔ لیکن کبھی نہ کبھی ایک زبردست و عظیم طاقت کے آگے بے بس اور مجبور ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جب کوئی بھی انسانی تدبیر کارگر ہوتی نظر نہیں آتی تو محسوس ہوتا ہے کہ ضرور ایک ہستی ہے جو اپنا آپ ہم سے منواتی ہے۔ ہم مانیں یا نہ مانیں۔ ہمارے جسم میں جان، روح دل، دماغ، آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں، بال بال، ریشہ ریشہ، ایک ایک پٹھہ، غرضیکہ ایک چھوٹے سے چھوٹا ذرہ بھی ہمارا اپنا نہیں۔ بلکہ وہ بلاشرکتِ غیرے مالک ہے۔ تو پھر ہم اپنی مرضی کرنے والے کون ہیں؟ جب جان، زندگی یعنی مہلتِ عمل اُسی کی دی ہوئی ہے۔ تو پھر اُس کا حق کیسے ادا کریں؟

ع جان دی دی ہوئی اُسی کی ہے
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اللہ تعالیٰ کو ماننے کا احساس ہم میں رواجی سا مضمحل سا ہے۔ کیونکہ اگر اس احساس میں قوت ہوتی تو ہمارے دل کی بے رونق دُنیا میں رُومانی لذت و تازگی ہوتی۔ جسمانی صحت کے ساتھ ساتھ

روحانی صحت و تروتازگی کو لازم و ملزوم کی حیثیت حاصل ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات کو نہیں مانتے۔ اگر مانتے ہیں تو پھر گناہ کیوں کرتے ہیں۔ گناہ ہو جاتے۔ تو جسم لرز کیوں نہیں اُٹھتا؟ رُوح کانپ کیوں نہیں جاتی؟ رونگٹے کھڑے کیوں نہیں ہوتے؟ اس لیے کہ ہمارا یہ احساس مُردہ نہیں تو نیم مُردہ ضرور ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہر لمحہ ہمیں اپنی قُربت کا احساس دلایا ہے۔ پہلے تو فرمایا

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ

(اے نبیؐ) جب یہ لوگ تجھ سے میرے بارے میں پُوچھتے ہیں۔ تو انہیں بتا دیجئے کہ میں اُن کے قریب ہوں۔ اتنا قریب کہ پکارنے والے کی پکار کو سُن لیتا ہوں۔)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں تمہارے قریب ہوں۔ اس قدر قریب کہ جب تم اپنی دُعاؤں میں آہستہ آہستہ سرگوشیوں میں مجھے پکار رہے ہوتے ہو۔ اپنا حالِ دل بیان کر رہے ہوتے ہو۔ راز و نیاز میں مصروف ہوتے ہو۔ مبادا کوئی دوسرا سن نہ لے۔ تو میں سُن رہا ہوتا ہوں۔ اور اس طرح سُنتا ہوں کہ تمہاری التجاؤں کو قبول کرنے کی صورت میں جواب بھی دیتا ہوں۔

یہ ہم ہی ہیں۔ جو اُس کی پکار کو نہیں سنتے۔ اس کی دعوت پر لبیک نہیں کہتے۔ کان نہیں دھرتے۔ اُس کے احکامات نہیں مانتے۔ پھر اُس سے گلہ ہوتا ہے کہ ہماری دُعا قبول نہیں ہوتی دُعا کس طرح قبول ہو۔ جس کی بات مانی نہ جائے اُس سے اپنی بات منوانے پہ اصرار کیسا؟

اللہ تعالیٰ نے اپنی قربت کا دل نشیں احساس دلایا ہے۔ کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہارے اس قدر قریب ہوں۔ کہ تمہارے والدین، بہن بھائی، عزیز و اقارب اور دوست احباب بھی اتنے قریب نہیں ہو سکتے۔ فرمایا

وَ هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَمَا كُنْتُمْ

تم اکیلے ہو یا محفل میں، گھر میں ہو یا سفر میں۔ چل پھر رہے ہو۔ رکوع و سجود میں ہو یا ذکرِ الٰہی میں مصروف غرضیکہ کسی لمحہ، کسی جگہ، کسی وقت بھی تم تنہا نہیں ہو۔ وہ ذاتِ عالی تمہارے ساتھ ہے۔ اسی لیے فرمایا۔

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔

ہم اُس کی شہ رگ سے بھی قریب ہیں۔

اب سوچنے کا مقام یہ ہے۔ کہ وہ ذات، وہ ہستی جو ہر وقت ہر لمحہ، ہر جگہ ساتھ ہے اپنی قربت کا احساس دلاتی رہتی ہے۔ اُس پر بھروسہ کیوں نہ کیا جائے۔ اُسے اپنا سہارا کیوں نہ سمجھا جائے وہ جو ہمیں تنہا نہیں چھوڑتی۔ ہماری ہر بات سنتی ہے۔ دل کی دھڑکن تک سے واقف ہے۔ تو کیا وہ ہمارے حال سے بے خبر ہو سکتی ہے۔ یقیناً نہیں اگر کسی کو یتیم کر دیا۔ تو دوسرے مسلمانوں کو حکم دیا۔ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ۔ یتیم کو ڈانٹو مت۔ کہ اُس کے دُکھے ہوئے دل کو ٹھیس نہ لگ جائے۔ کوئی بے آسرا، بے سہارا اور محتاج ہو گیا تو معاشرہ میں رہنے والوں سے کہہ دیا۔ وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ

ہم یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ ہستی کسی کو بھی بے آسرا کر سکتی ہے۔ وہ دل کی نزاکتوں، جذبات و احساسات کو خوب جانتا ہے۔ جب ناگہانی غم انسان کو کمزور اور حساس بنا دیتا ہے۔ دل ایک معمولی سی سخت بات بہت دُرشت اور تلخ محسوس کرتا ہے۔ تو ایسے دلوں کا خیال رکھتے ہوئے فرمایا۔

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔

کیا کہنے اُس کی رحمت کے۔ کہ انسان مایوسیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں گرنے نہ پائے۔ اس کا دامنِ رحمت وسیع ہے۔ کہ مایوسی کے عالم میں بھی اُس نے فرمایا کہ میری رحمت سے نا اُمید نہ ہو۔ ہو سکتا ہے۔ کہ یہ غم، دُکھ، پریشانی، مصیبت ایک آزمائش ہو۔ یہ دیکھنے کے

لیے کہ میرا چاہنے والا میری دی ہوئی تکلیف کو کس حد تک برداشت کرتا ہے اور اس تکلیف کو بھی اپنے لیے ترقی درجات کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

؎ یہ تیرا کرم ہے چُنا مجھ کو امتحاں کے لیے

کہیں ایسا تو نہیں کہ راحت و آسائش کا متلاشی انسان معمولی سی تکلیف پا کر اپنا صحیح راستہ بدل کر غلط منزل کی طرف جا نکلے۔ تو یہ سفر جو کہ اپنے خالق، مالک و آقا کی رضا کے لیے ہے۔ تو اس راہ میں تکالیف و صعوبتیں ملنا لازمی امر ہے۔ جتنی منزل آرام دہ خوبصورت حسین، دلکش ہوگی اتنے ہی زیادہ مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

؎ ہوتے ہیں رنج بہت مسافر کو سفر میں

اگر دل میں اللہ تعالیٰ کی قربت اور اس کی رضامندی کا احساس جاگزیں ہو جائے تو راہ کی تکالیف کچھ اہمیت نہیں رکھتیں۔ اور ہم اپنی منزل کو پالیں گے۔

تاریخ شاہد ہے کہ دُنیا میں جس نے بھی اپنا نام روشن کیا۔ بغیر محنت کوشش یا جدوجہد کے ایسا نہیں ہو سکا۔ دُنیا و آخرت کی کامیابی کے لیے یہ لازمی امر ہے۔ کہ دُنیاوی تکالیف کو برداشت کیا جائے۔ اور اللہ کے قرب کا احساس اُس کی محبت کی لگن ہی ان کٹھن راہوں پر ممد و معاون ثابت ہوتی ہے۔ بالکل اس طرح جیسے ایک ماں اپنے بچے کی پرورش کے لیے اپنے آپ کو کس قدر مشقت میں ڈالتی ہے۔ راتوں کو اُٹھنا، اپنا آرام قربان کرنا۔ بچے کی معمولی سی تکلیف پر تڑپ اُٹھنا اُس کی محبت کی شدت کی وجہ سے ہے۔ کہ یہ چیزیں اُسے معمولی نظر آتی ہیں۔ انسان تو انسان حیوانوں کو دیکھئے۔ ایک چڑیا اپنے بچوں کو گھونسلے میں کس طرح دانہ دنکا کھلاتی ہے۔ پر نکلنے تک اُس کی حفاظت کرنا، آندھی و طوفان سے بچانا۔ جانور بھی اپنے بچوں سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو اپنے پیدا کیے ہوئے انسانوں سے کئی گنا زیادہ محبت رکھنے والے ہیں۔ تو پھر کیوں نہ اُس کی ذات پر مکمل بھروسہ کیا جائے اُس کی ناراضگی اور رضا کا خیال رکھا جائے۔ اُس سے اتنی محبت ہو جائے۔ اِس قدر قرب کا احساس ہو۔ کہ دُکھ، پریشانیاں، غم محسوس نہ ہوں۔

اللہ پر بھروسہ ہی وہ مضبوط دیوار ہے جس پر ہر دُکھتی ہوئی کمر ٹیک لگا کر راحت محسوس کرتی ہے۔ زندگی کے تپتے ہوئے ریگستانوں میں اُس کی حیثیت ایک پُرسکون نخلستان کی سی ہے۔ یا پھر تلاطم خیز موجیں جو سمندر میں ایک پُرسکون چٹان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ اللہ پر مکمل بھروسہ ہمیں اُس عظیم سہارے کا پتہ بتاتا ہے۔ جو کسی مقام پر، کسی صورت، کسی وقت بھی ہم سے چھین نہیں سکتا۔ زمانے کے حوادث کی لاکھ آندھیاں چلیں۔ اُس کی ذات پناہ گاہ ہے۔

یہ صرف اور صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ اللہ پر ایمان کمزور نہ ہو۔ بلکہ مضبوط سے مضبوط تر ہو۔ صراطِ مستقیم پر چلیں تو قدم ڈگمگاتے ہوئے نہ ہوں۔ ثابت قدم اور جما کر رکھے جائیں۔ اللہ تعالیٰ پر مکمل و پختہ یقین و ایمان ہو۔ اِس طرح کا ایمان کہ ہمیں پتہ ہونا ہے۔ کہ آگ میں ہاتھ ڈالا تو جل جائے گا۔ ہم کبھی آگ کے نزدیک بھی نہیں جاتے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے احکامات مانتے تو ہیں مگر عملاً نہیں مانتے۔ جس طرح آگ اپنے قریب ہونے سے ہمیں روک دیتی ہے۔ اسی طرح اللہ کی ناراضگی اُس کی نافرمانی سے روک دے۔ اُس کی خوشنودی کی خاطر ہم ہمہ وقت تیار ہوں۔ تو پھر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا ایمان سلامت ہے۔ اپنے اپنے ایمان کا جائزہ لیں۔ سرکش و طاغوتی طاقتوں کا سر کچل دیں۔ شیطان کو من مانی کرنے کا موقع نہ دیں تو پھر اللہ کی ذاتِ عظیم کا سہارا ہم حاصل کر سکتے ہیں۔ ایسا سہارا جو ٹوٹ نہیں سکتا۔ جو ہمیں کبھی بے یار و مددگار چھوڑ نہیں سکتا۔ کبھی چھن نہیں سکتا۔ کبھی بے سہارا اور بے آسرا نہیں کر سکتا۔

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ

باقی صفحہ ۴۶ پر ملاحظہ فرمائیں

محمد اشفاق رانا کوٹ آبادان (گوجرہ)

راہِ سلوک کے مُسافر

انسان بنیادی طور پر لالچی ہے۔ بہتر سے بہتر اور خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا ہے۔ ہر انسان کی اپنی اپنی پسند ہوتی ہے۔ زمیندار کی خواہش ہے کہ پہلے میرے پاس بیس ایکڑ ہیں۔ پانچ ایکڑ اور مل جائیں تو ایک مربع ہو جائے۔ کارخانہ دار کی خواہش ہوتی ہے کہ اگلے پانچ سال میں ایک اور کارخانہ لگا لوں۔ ٹرانسپورٹر اس سوچ میں ہے کہ روٹ پر کچھ گاڑیاں نئی آجائیں۔ سرکاری ملازمین کی اکثریت حرام حلال سے بالاتر ہو کر رقم اکٹھی کرنے میں مصروف ہے۔ اسی طرح ان کے دلوں میں ان چیزوں کی محبت ہو جاتی ہے۔ انسان صبح و شام اور رات کو انہیں خواہشات میں گم رہتا ہے۔ عرصہ دن بدن بڑھتا جاتا ہے اور زندگی کے سانس پورے ہو جاتے ہیں۔

اگر یہی عرصہ علم حاصل کرنے، قرآن حکیم اور حدیث مبارکہ کا مطالعہ کرنے کی تڑپ میں لگ جائے تو انسان صحیح انسان بن جاتا ہے۔ دل میں مقامِ برزخ کی فکر ہو جائے۔ ظاہر کے ساتھ باطن کا خیال آجائے تو انسان باشریعت شیخ کی تلاش میں عازمِ سفر ہوتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی کرم نوازی سے ہوش سنبھالتے ہی میرے دل میں اس طرح کی فکر ہوتی۔ طالب علمی کے دور میں یہاں کہیں کسی بزرگ ہستی کا سُنتا حاضرِ خدمت ہوتا۔ مگر ان بزرگوں میں ماسوائے اپنی دکانداری چلانے کے اور کوئی چیز نظر نہ آئی۔ میرے خاندان میں ایک پیر صاحب کافی مشہور تھے اور خاندان کے مرد و خواتین کی اکثریت نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی ہوئی تھی۔ خاندان میں اُسے پہنچی ہوئی ہستی اور کامل پیر کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ کئی مرتبہ ملاقات ہوئی۔ اس پیر صاحب نے عورتوں کے پاس بیٹھنا، گھر گھر جانا، کپڑے اور دوسرے تحائف کو اکٹھا کر کے لے جانا۔ انہوں نے مقصد بنایا ہوا تھا۔

دل میں ایسے دکانداروں سے نفرت ہوئی تو سوچا کوئی بات نہیں اس کرہ ارض پر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت علی ہجویریؒ، خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اور حضرت سلطان باہوؒ جیسی عظیم برگزیدہ ہستیاں بھی گذری ہیں۔ تعلیم سے فارغ ہو کر پیاس بجھانے کے لیے کسی اللہ والے کی خدمت میں حاضر ہو کر قدم بوسی کا شرف حاصل کروں گا۔

تین دفعہ حضرت سلطان باہوؒ کے مزار پر جانے کا موقع ملا وہاں پر نذرانے وصول کرنے والے اور پیشہ ور بھکاریوں کے علاوہ کوئی ہستی نظر نہیں آئی۔ زندگی کا کچھ حصہ لاہور میں گذارا اکثر جمعۃ المبارک جامع مسجد حضرت علی ہجویریؒ (داتا صاحب) جا کر پڑھتا رہا۔ وہاں پر ہر جمعرات شام کو محفلِ ذکر منعقد ہوتی اور رکانی مٹھائی وغیرہ آتی۔ مٹھائی کے لفافوں میں اُونچ نیچ اور ڈھول پہ دھمال کی بے حیائی کو دیکھا تو دل نہ ٹھہر سکا۔

سوچا اللہ تعالیٰ کی ان برگزیدہ ہستیوں پر کیسے کیسے دُنیاداروں نے ڈیرے جما رکھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تبلیغی جماعت کے ساتھ جانے کی توفیق دی۔

تبلیغی جماعت سے ظاہری اصلاح تو ہو گئی مگر مجھ پر باطن سنوارنے کا بھوت سوار تھا۔ اپنے چک ۹۶ ج ب کوٹ آباد ان میں تبلیغی جماعت کے ساتھی تبلیغ کے ساتھ ساتھ ذکر خفی بھی کرواتے تھے۔ پوچھنے پر ایک ساتھی بھائی غلام مصطفےٰ صاحب نے بتایا۔

ہمارے شیخ حضرت مولانا اللہ یار خاںؒ چکڑالہ میانوالی میں ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کا مرکز منارہ ضلع چکوال ہے۔

دل میں سوچ ہی رہا تھا کہ اس ہستی کی زیارت بھی کر ہی لوں اسی دوران ۱۰ مئی ۱۹۸۳ء کو پاکستان ائر فورس میں بھرتی ہو کر کوہاٹ پہنچ گیا۔ یہاں سلسلہ کا کوئی ساتھی نہ مل سکا اور ٹریننگ نے سب کچھ بھلا دیا۔

کوہاٹ سے ٹریننگ کے بعد پی اے ایف بیس کورنگی کریک کراچی پہنچا تو کچھ فرصت ملی۔ تبلیغی جماعت کے ساتھیوں نے بتایا کہ بیرک کے اوپر سٹور میں ذکر خفی ہوتا ہے۔ نماز مغرب کے بعد اس کمرے میں پہنچا چند ساتھی بیٹھے تھے مجھے اجنبی سمجھ کر وارنٹ آفیسر عبدالستار صاحب نے فرمایا۔

ہمارا سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ ہے۔ حضرت مولانا اللہ یار خاںؒ شیخ سلسلہ ہیں۔ ہم پاس انفاس سے ذکر کرتے ہیں۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى

(وہ فلاح پا گیا جس نے تذکیہ کر لیا۔ اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔)

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے دل پر جمی ہوئی میل، گرد و غبار اور شیطانی وسوسے نکل جاتے ہیں۔ عبدالستار صاحب نے تو دل میں اتر جانے والی پیاری پیاری باتیں بتائیں۔ مگر میرا ذہن پہلے فقرے پر ہی اٹک گیا تھا۔

حضرت مولانا اللہ یار خاںؒ کے بارے میں تو مجھے غلام مصطفےٰ صاحب نے دعوت دی تھی۔ مجھے اس روحانی معالج سے اور زیادہ عقیدت ہو گئی۔ میں نے چند دن اللہ اللہ سیکھی اور دل میں پختہ ارادہ کیا کہ انشاء اللہ پہلی فرصت میں چکڑالہ یا منارہ پہنچ کر اس ہستی کا دیدار کروں گا۔ کورنگی کریک کورس کے دوران چھٹی لینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ دن گذرتے گئے۔ میں کچھ وقت تبلیغی جماعت اور کچھ ذکر کے لیے وقف کرتا رہا۔

انہی دنوں ہمارے پی اے ایف کے امتحان ہو رہے تھے میں چند دن ذکر پر نہ پہنچ سکا۔ غالباً ۲۵ فروری ۱۹۸۴ء کو مغرب کی نماز کے بعد پہنچا تو تمام ساتھیوں نے نظریں جھکائی ہوئی تھیں پوچھنے پر معلوم ہوا۔

حضرت جیؒ ۱۸ فروری بروز ہفتہ اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ دل میں خیال آیا یا اللہ میں نے تو اس ہستی کا دیدار بھی نہیں کیا۔ انہیں سوچوں میں گم تھا کہ اب کیا بنے گا کیا میری قسمت میں کوئی رہنما نہیں جو میرے دل سے شیطانی وسوسے نکال کر سکون بخشے۔

ایک ساتھی نے بتایا کہ حضرت جیؒ نے اپنی حیات میں حضرت مولانا محمد اکرم صاحب کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا۔ اب مولانا اکرم صاحب سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے سرپرست ہوں گے۔ میرے لیے یہ نام ایک نئی ہستی تھی۔

جون ۱۹۸۴ء کو کورس مکمل کرنے کے بعد کراچی سے سکھر ائر پورٹ پوسٹنگ ہوئی۔ یہاں تھوڑے ہی عرصے بعد سرگودھا سے شاہد جاوید صاحب (ایم ای ایس) پوسٹنگ پر آئے۔ باشریعت اور معزز آدمی تھے۔ ان سے ملاقات کی۔ جس سے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کا تفصیلاً تعارف ہوا اور المرشد کا مطالعہ کیا۔ رمضان المبارک میں اعتکاف کے لیے منارہ جانے کا وعدہ کیا۔

۱۶ رمضان المبارک چھٹی لے کر گھر گیا۔ غلام مصطفےٰ صاحب اور دو ساتھی پہلے ہی اعتکاف کے لیے تیار تھے۔ والدہ محترمہ سے اجازت لی اور منارہ روانہ ہو گیا۔

دارالعرفان کے سامنے بس رکی آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا

ہُوا مسجد کی طرف بڑھا جو کہ مین روڈ پر سادہ اور پُرکشش دو منزلہ عمارت ہر گذرنے والے کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ عصر پڑھنے کے بعد تھوڑا سا آرام کیا۔ افطاری سے دس منٹ پہلے کرنل، سپاہی، پروفیسر، طالب علم، زمیندار، مزارع، مفتی، علماء حضرات، ڈاکٹر، حکیم، چھوٹا، بڑا، اعلےٰ، ادنیٰ سبھی مسجد کے باہر گھاس پر قطاروں میں بیٹھ رہے تھے۔ چند آدمی خدمت کے لیے مقرر تھے۔ تقریباً چار سو کے قریب آدمی تھے۔ کسی قسم کی کوئی آواز نہیں آ رہی تھی ہر آدمی ذکر میں مشغول تھا۔ سادہ سی افطاری ہوئی۔ نماز کے بعد پھر اسی گھاس پر بیٹھ گئے۔ ہر آدمی کے سامنے دو روٹی اور دال رکھ دی گئی۔ سکون سے کھانا کھایا۔ جس کا مزہ ہی کچھ اور تھا۔ نماز تراویح سے فارغ ہو کر تھوڑا سا آرام کیا تھا کہ صبح دو بجے پھر جگا دیا گیا۔

نوافل پڑھ کر اُسی گھاس پر بیٹھ گئے۔ پھر وہی دال روٹیاں ہر ایک کے سامنے آ گئیں۔ دل میں خیال آیا۔ یہ کوٹھیوں میں رہنے والے، صوفے سیٹ پر بیٹھ کر آرام فرمانے والے کاروں سے اُتر کر جو اپنا بریف کیس نیچے نہیں اتارتے۔ انہیں کس چیز نے دال روٹی اور مسجد کی چٹائیوں پر سونے کے لیے مجبور کیا ہے۔

مفتی اور علماء حضرات جنہوں نے بیس سال مختلف دینی مدارس میں قرآن و حدیث پر عبور حاصل کیا انہیں کس کشش نے دارالعرفان کے لیے مجبور کیا ہے۔ سارا دن اسی سوچ میں گذرا عصر کے بعد ظاہری بیعت کا اعلان ہُوا بھاگ کر حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ عالی کے پاس بیٹھ گیا۔ دوسرے دوست بھی پروانوں کی طرح وہاں پہنچ گئے۔

یوں حضرت مولانا محمد اکرم صاحب نے ۱۲ جون ۱۹۸۵ء بمطابق ۲۲ رمضان المبارک اس سیاہ کار کو سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں داخل کر لیا۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی بہت بڑی کرم نوازی تھی۔

حضرت مولانا محمد اکرم صاحب، کرنل مطلوب حسین صاحب، پروفیسر حافظ عبدالرزاق صاحب، حکیم محمد صادق صاحب، کرنل محبوب الرحمٰن صاحب، حافظ غلام جیلانی صاحب اور حافظ قاری صاحب جیسی عظیم ہستیوں کی جب زیارت کی تو میری آنکھوں میں اُس رُوحانی باپ کا تصور گردش کرنے لگا۔ کہ وہ خود کیسے تھے جن کے بیٹے ایسے ہیں۔ کاش میں نے کچھ عرصہ پہلے ان کی زیارت کر لی ہوتی۔

دارالعرفان میں صبح کا ذکر خفی۔ حضرت مدظلہ عالی کا درس قرآن ذکر کی کلاسیں، اللہ تعالیٰ کے احکامات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات اس طرح سُنے کہ اپنے ماضی کو یاد کر کے رونے لگا کہ زندگی کے قیمتی لمحات کہاں گذارے۔ کتنے خوش نصیبوں کے لطائف منور ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روحانی بعیت ہوئی۔

ان دس ایام میں اپنے اندر ایسی کیفیت محسوس کی۔ جو پوری عمر نہیں بھولے گی۔

اعتکاف کے بعد عیدالفطر سے تھوڑی دیر پہلے گھر پہنچا۔ عیدالفطر ادا کی۔ دو دن اور گھر گذارے اور ڈیوٹی پر سکھر ایئرپورٹ پہنچ گیا۔

اب ہر وقت آنکھوں کے سامنے سفید چادر، کُرتا اور پگڑی میں ملبوس حضرت مدظلہ عالی کا نورانی چہرہ اور کانوں میں دل کی گہرائیوں میں اُتر جانے والے اللہ تعالیٰ کے احکامات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات گردش کرنے لگے اور کرتے رہیں گے۔

آجکل دارالعرفان میں صقارہ اکیڈمی بنا دی گئی ہے۔ اکیڈمی میں تعلیم حاصل کرنے والے ننھے مجاہدوں کو دیکھا جو مستقبل میں ڈاکٹر، انجینئر، پروفیسر، پائلٹ، ایس پی اور جج کے ساتھ ساتھ قاری، عالم، مقرر، مجاہد اور ذاکرین بھی ہوں گے۔ آج اس وقت اسی چیز کی ضرورت ہے۔

الحمدللہ چھ سال سے ماہنامہ المرشد اور حضرت جیؒ کی تصانیف کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بڑا کرم کیا ہے۔

جب حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کی کیسٹ، کتابیں اور المرشد میں آپ کی تقاریر پڑھتا ہوں تو آنکھوں سے موتیوں کی لڑی جاری ہو جاتی ہے۔ صرف اس لیے کہ میں زندگی کے چند لمحات حضرت جیؒ کی صحبت میں نہ گذار سکا۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنی زندگی کا ایک حصّہ آپ کی خدمت میں گذارا ہے۔

چکڑالہ سے پھوٹنے والے اس نورانی چشمے سے پوری دنیا میں عقیدت مند سیراب ہو رہے ہیں۔

بقیہ : عُروۃ الوثقیٰ

اُسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ کہ صاحبِ ایمان شخص شاہراہ حیات کے نشیب و فراز پر شیطانی حربوں سے دل برداشتہ ہونے کی بجائے مطمئن و پُرسکون دل کے ساتھ مصائب کے سامنے ڈٹ جائے۔ تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے ایسا مضبوط سہارا ہیں جو ٹوٹ نہیں سکتا۔ شیطان کا مدعا یہ ہے۔ کہ بنی آدم کو بدی کی دعوت دے۔ برائی کو خوشنما کر کے دکھائے۔ اور یہ برائی ہی جہنم کا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ
وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى۔

شیطان کا کام ہی یہ ہے۔ کہ زیادہ سے زیادہ انسانوں کو جہنم کی طرف بلائے۔ لیکن جس نے اُسے مایوس کیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کی۔ نیکی کی طرف جھکا رہا۔ صراطِ مستقیم پر اپنے قدم مضبوطی سے جمائے رکھے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ بھی ایسے بندوں کے لیے عظیم و مضبوط سہارا ثابت ہوتے ہیں۔

ع خالق پہ بھروسہ ہو تو عزت نہیں گھٹتی
افسوس اِکہ انسان بہت پست نظر ہے

توجّہ فرمائیے

جن حضرات نے سالانہ چندہ برائے المرشد ۹۲-۱۹۹۱ء اب تک ادا نہیں کیا ہے۔ ۲۵ اگست ۹۱ء تک سالانہ چندہ نہ پہنچنے کی صورت میں ستمبر سے ان کی ترسیل بند کر دی جائے گی۔ لیٹ چندہ بھیجنے والوں کو پچھلے شمارے نہیں بھیجے جائیں گے۔ اِس لیے آپ کا تعاون بروقت ضروری ہے۔

ایڈیٹر

نوٹس داخلہ فرسٹ و سیکنڈ ایئر

صفارہ کالج لاہور

(حکومت سے منظور شدہ)

(انگلش میڈیم)

نمایاں خصوصیات

- اعلیٰ تربیت، اعلیٰ کردار اور روشن مستقبل
- دینی و دنیوی تعلیم کا حسین امتزاج
- اعلیٰ تعلیم کے ساتھ قیادت کی صلاحیت
- مروجہ تعلیم کی دو رنگی سے ہٹ کر ایک نیا راستہ
- عربی اور انگریزی پر یکساں عبور
- تحریر و تقریر میں مہارت
- اقبال کے شاہینوں کا مسکن
- ہوسٹل کی سہولت
- بیرون ملک مقیم والدین کیلئے اولاد کی تعلیم و تربیت کا بہترین ادارہ
- سی ایس ایس پی سی ایس آرمی آفیسرز ایم بی اے اور صحافت کے شعبوں میں کیریئر کے متلاشی طلباء کیلئے عملی رہنمائی

نتائج کے اعلان کے بعد دس دن کے اندر اندر فارم داخلہ وصول کئے جائیں گے۔

پراسپکٹس اور فارم داخلہ بذریعہ ۱۰۰ روپے پوسٹل آرڈر یا منی آرڈر حاصل کریں

پرنسپل: صفارہ کالج اولیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور نمبر ۵۴۷۷۰ فون ۸۴۴۹۰۹۱

فارم رُکنیت

الاخوان

نام _____ ولدیت _____

عمر _____ پیشہ _____

موجودہ پتہ _____

مستقل پتہ _____

_____

فون نمبر دفتر _____ گھر _____

میں الاخوان کا رکن بننا چاہتا ہوں۔ میں اس کے منشور کی مکمل پابندی کروں گا۔ اس میں میرا مقصد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔ میں خود اپنے پر اور اپنے اہل خانہ پر شریعت کا نفاذ کروں گا اور اپنے دوستوں اور اعزہ و اقربا کو اس کی ترغیب دوں گا کہ وہ شریعت پر عمل کریں نیز ہر قسم کے تنازعات میں الاخوان کے مقرر کردہ حکم کے فیصلوں پر بلا چون و چرا عمل کروں گا۔

دستخط

_____

تاریخ _____